مالیگاؤں
اور
راجہ نارو شنکر دانی

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر اشفاق انجمؔ

ریڈر و صدر شعبۂ اردو، فارسی (ایم۔ایس۔جی۔کالج، مالیگاؤں)

نام کتاب	:	مالیگاؤں اور راجہ نارو شنکر دانی
مصنف	:	ڈاکٹر اشفاق انجم
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	ٹیکنیکل کمپیوٹرس، مالیگاؤں
طباعت	:	اقصیٰ آفسیٹ، مالیگاؤں
ٹائٹل	:	سراج انجم (مالیگاؤں)
تعداد	:	۶۰۰
صفحات	:	۱۱۲
طبع اوّل	:	ستمبر ۲۰۰۲ء
قیمت	:	۸۰ روپے
ناشر	:	ڈاکٹر اشفاق انجم ، ریڈر و صدر شعبہ اردو، فارسی (ایم ایس جی کالج، مالیگاؤں)
رہائش	:	۴۹۷، نیاپورہ، مالیگاؤں۔۴۲۳۲۰۳
فون	:	(0255) 433965

::: ملنے کے پتے :::

- ❖ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ممبئی، علی گڈھ
- ❖ سویرا بک ڈپو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں
- ❖ اطفال بک ڈپو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں

انتساب

منشی محمد یوسف عبداللہؒ

مولانا محمد عثمان عبداللہؒ (بانیٔ جامعۃ الصالحات، مالیگاؤں)

محمد ادریس عبداللہؒ

مولانا عبدالحق رازیؔ نبی بخشؒ (بانیٔ جامعۃ الصالحات، مالیگاؤں)

فیض محمد محمد یعقوبؒ (نانا)

پیرو مرشد چراغِ معرفت حضرت صوفی نور الہدیٰ صاحبؒ

اور

والد محترم جلیل احمد محمد یوسف

والدہ محترمہ قدسیہ بیگم

کی محبتوں اور شفقتوں کے نام

''کہ ان کے نور سے میری حیات روشن ہے''

اشفاق انجم

کسبِ نور

پروفیسر امان اللہ خان
صدر شعبۂ تاریخ وسیاسیات، سٹی کالج، مالیگاؤں

''مالیگاؤں اور راجہ نارو شنکر دانی'' پروفیسر ڈاکٹر اشفاق انجم کی دقیق محنت، عمیق مطالعہ اور کم وبیش بیس برسوں پر پھیلی ہوئی تلاش وتحقیق کا ثمرہ ہے۔

موصوف نے جس مسئلے پر قلم اٹھایا ہے اس کے تین واضح زاویے ہیں۔ اوّل مالیگاؤں کب بسا اور کس نے بسایا؟ دوّم مالیگاؤں کا قلعہ کب تعمیر ہوا؟ سوّم اور بنیادی زاویہ یہ ہے کہ اس پوری کہانی کے مرکزی کردار نارو شنکر دانی کا مالیگاؤں سے تعلق؟ اور موجودہ راجہ بہادر صاحب کا اس سے خاندانی رشتہ؟

پروفیسر موصوف نے تصویر کے ان تینوں زاویوں کو واضح کرنے کیلئے اور برسہا برس سے اٹھنے والے سوالات کے تشفی بخش اور قرار واقعی جوابات حاصل کرنیکی کامیاب کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم نے مالیگاؤں کے دیگر موٴرخین کی طرح ہوا میں باتیں نہیں کی ہیں بلکہ اپنے دعووں کو مستند اور ناقابل تردید حوالوں سے ثابت بھی کیا ہے۔ انھوں نے ''تاریخ فرشتہ'' اور ''برہان مآثر'' جیسی قدیم تواریخ کے ساتھ ہی مستند مراٹھا موٴرخ ریاست کار سردیسائی، شیجولکر اور دیگر مراٹھا موٴرخین کی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کتاب کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ مصنف کو اپنے مشن کا واضح اور مکمل ادراک ہے۔ شہر مالیگاؤں کا ماضی، اس کا وجود وعروج، قلعے کی تعمیر، نارو شنکر کا نام، اس کا شجرۂ حسب ونسب، موجودہ راجہ بہادر کا اس کے خاندان سے تعلق۔ ان تمام باتوں پر ماہ وسال کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ وقت ماضی کے واقعات کے اطراف ویسے بھی خوبصورت، رومانی اور روشن حالات بن دیتا ہے۔ لہٰذا ماضی کے کردار، واقعات اور روایات ہمیں دلکش، عظیم اور عزیز معلوم ہوتی ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر اشفاق انجم ماضی کی بھول بھلیوں میں الجھے اور نہ ہی اپنے پیش روؤں کی طرح جذبات کی رو میں بہے۔ تلاش وتحقیق کی اس تگ ودو میں پروفیسر موصوف نے اپنے منطقی شعور کو بحسن وخوبی برتا ہے اور کہیں بھی سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور جذباتیت یا عقیدت کو استدلال پر حاوی نہیں ہونے دیا۔

تاریخ ماضی کی کہانی ہے۔ واقعات وکردار کے تانے بانے سے ایک خوبصورت کہانی تیار کر لینا بڑا آسان کام ہے اور اس میں احترام، اندھی عقیدت اور جذبۂ خودنمائی کی گل کاری اور پچی کاری بھی شامل ہو تو سونے پر سہاگا ہو جاتا ہے اور یہی سب کچھ ہمیں خصوصاً شبیر حکیم کی ''ماجرائے وطن'' میں نظر آتا ہے۔ کہانی تو بڑی مصوّر بن گئی۔ شہر عزیز کی خدمت بھی ہو گئی۔ اکیڈمی سے انعام بھی مل گیا لیکن حقائق کا خون ہوگیا۔ تاریخ کا چہرہ مسخ ہوگیا۔ سہل پسندی، کم علمی اور عجلت پسندی کی بنا پر نہ تحقیق کا مادّہ، نہ تلاش وجستجو کی خواہش، نتیجے میں بقول اشفاق انجم ایک لغو اور بے بنیاد تاریخ وجود میں آئی جو سالہا سال تک نسلوں کو گمراہ کرتی رہی۔

تاریخ شہر مالیگاؤں، مالیگاؤں کی تاریخ کے بکھرے اوراق اور ماجرائے وطن کا معروضی جائزہ لیا جائے اور منطقی استدلال و حقائق کی روشنی میں پرکھا جائے تو سنوات کا تضاد، واقعات وکردار کے اختلافات کے ساتھ ان کی باہمی بے ربطگی کا تجزیہ کیا جائے تو لگتا ہے ان کے مصنف وموٴلف تاریخ نگاری تو کجا کہانی نویسی کے فن سے بھی نابلد ہیں۔

تاریخ نویسی تلاش وتحقیق کا نام ہے۔ یہ فن خواہش وطلب سے زیادہ محنت، لگن اور عرق ریزی چاہتا ہے۔ یہ اتنا ہی مشکل فن ہے جتنا بطن صدف سے موتی نکالنا یا شب تاریک سے کسب نور کرنا۔ سہل پسندی مفروضات، سنی سنائی یا کہاسنا کی فن تاریخ نویسی میں کوئی گنجائش نہیں۔ ایک سماجی سائنس کے ناطے یہ فن اتنا ہی متحرک اور رواں ہے جتنی کہ ہماری سماجی زندگی۔

"It is as dynamic as life it is"

لہٰذا موٴرخ کے لیے صرف ماخذ تک پہنچ جانا ہی کافی نہیں بلکہ ان ماخذوں کے پس پشت جو متحرک طاقتیں عوامل و واقعات ہوتے ہیں ان کا ادراک بھی ضروری ہے۔ انسانی زندگی ہشت پہلو ہے۔ سماجی، سیاسی، معاشی، مذہبی، اخلاقی ونفسیاتی، باطنی اور خارجی عوامل ہر ہر زاویے سے

قدم قدم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس عمل کو مشہور جرمن مفکر ہیگل Dielectic یعنی جدلیاتی (بننا، بگڑنا اور بگڑ کر سنورنا) سے تعبیر کرتا ہے۔مغربی مفکرین تاریخ کو سیاسی اتھل پتھل کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ان کے پاس History is the root and Politics is the fruit یعنی کل جو کچھ تھا وہ آج تاریخ ہے اور آج کی تمام اتھل پتھل آنے والے کل کی تاریخ مرتب کرتی ہے۔یہاں مؤرخ اور مصنف کی اپنی صلاحیتوں کا امتحان ہوتا ہے۔اس کی عصری آگہی، گہرا مطالعہ، دور رس نگاہ، ہمہ گیر فہم و ادراک جو تمام تر شعبۂ حیات کا احاطہ کرتا ہو تو منطقی شعور اس شناوری میں اس کا معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔

Objectivity یعنی معروضیت اور Neutrality یعنی غیر جانبداری فن تاریخ نویسی کی روح ہیں۔عقیدت و احترام، جذباتیت یا تعصب کا ہلکا سا شائبہ بھی حقائق کو مجروح کر دیتا ہے اور تاریخ کا چہرہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔اسی لیے پروفیسر میکسی کہتے ہیں ''جذبات کو کھڑکی سے پرے پھینک کر کیا ہوا اور کیوں کر ہوا، کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔'' اور یہ بات معاصر مؤرخین کے یہاں ناپید ہے۔مولوی عبدالمجید وحید مرحوم انگریزی اور مراٹھی سے ''نا بہرہ'' تھے۔ان کی کتاب تین مترجمین کی مرہون منت ہے۔اس لیے وہ تو خارج از بحث ہیں لیکن شبیر حکیم جذباتیت کی دل نواز و خوش کن فضاؤں میں کھو گئے۔نہ عصری شعور، نہ منطق، نہ استدلال، نہ مطالعہ، نہ موازنہ، نہ مشاہدہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدم قدم پر تضاد بیانی، واقعات میں تال میل نہ سنوات میں تطابق اور پھر کارل مارکس اور انگریزی گزیٹیئر پر ایمان۔وہ تاریخ کیا لکھتے! سامنے کے حقائق تک انھیں نظر نہ آئے۔کہیں بیٹی کو بیوی لکھ دیا، کہیں پر پوتے کو پر دادا بنا دیا، کہیں بادشاہ بعد از مرگ جنگ لڑتے اور فرمان عطا کرتے نظر آتے ہیں۔حد تو یہ کہ شہر ''جالنہ'' کو ''گالنہ'' سمجھ کر ساری تاریخ الٹ دی۔اس تعلق سے ڈاکٹر اشفاق انجم نے بڑی شائستگی و حیرت کے ساتھ صرف اتنا ہی کہا ہے کہ ،

''تاریخ لکھو ہو کہ کرامات کرو ہو!''

پروفیسر ڈاکٹر اشفاق انجم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے برسہا برس کے الجھے اور لا ینحل سمجھے جانے والے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔باب دوم

میں انھوں نے مالیگاؤں کا وجود دسویں صدی عیسوی میں ثابت کیا ہے۔وزیر کھیڑے میں پائی گئی تانبے کی تختیوں اور دیگر Relevent Documents کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ شہر ''ماہلی گرام'' یا ''ماہلی'' کے نام سے گیارہ سو برسوں سے آباد ہے جو راشٹر کٹ خاندان کی حکومت میں شامل تھا۔

باب سوم میں قلعہ مالیگاؤں کی تعمیر کے تعلق سے تمام تر مفروضات کو جھٹلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ قلعہ سولہویں صدی میں بھی موجود تھا۔قلعے کے اطراف خندق کا ہونا، قلعے کی چھتریاں اور گنبد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس قلعے کی تعمیر ہند ایرانی کلچر کے تحت کسی مسلم حکمراں کے عہد میں ہوئی ہے۔کب اور کس کے عہد میں؟ یہ سوال ہنوز جواب طلب ہے۔تلاش و تحقیق کا میدان سب کے لیے کھلا ہے۔اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر اشفاق انجم نے بہمنی سلطنت کی تاریخ، نظام شاہی کے عروج و زوال کی تاریخ اور مغل فتوحات کی تواریخ سے استفادہ کیا ہے۔ برہان مآثر، ڈاکٹر کنٹے کی ''احمد نگر چی نظام شاہی'' اور ''فورٹس آف مہاراشٹرا'' جیسی مستند کتابوں سے لیے گئے حوالے اور اقتباسات کتاب میں شامل ہیں جن سے مالیگاؤں قلعے کی ۱۵۵۳ء میں موجودگی ثابت ہوتی ہے۔اس تحقیق سے مانو شہر عزیز کی عمر بڑھ گئی۔

پروفیسر ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کی تحقیق و تلاش نے نہ صرف یہ کہ کیے گئے تمام دعووں کی بساط ہی اُلٹ دی بلکہ مراٹھا تاریخ میں نارو نام کے بیک وقت ۳۵ افراد کا ہونا ثابت کیا ہے جو بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔ان ۳۵ ناروؤں کو اگلے مؤرخین نے ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیا جس کی بنا پر مالیگاؤں کی تاریخ چیستاں بن کر رہ گئی۔

اب اس مثلث کا آخری زاویہ یعنی وہ سوال کیا نارو شنکر دانی مالیگاؤں آیا تھا؟ اور کیا موجودہ راجے بہادر اس کے خاندان سے متعلق ہیں؟ اصل حقیقت کو جاننے کے لیے ڈاکٹر موصوف نے مراٹھوں کے عروج و زوال کی تاریخ، باجی راؤ دوم کے دور حکومت کا حال، مغل خاندان کا زوال، بادشاہوں کی تخت نشینی و معزولی، احمد شاہ ابدالی کا حملہ اور پانی پت میں مراٹھوں کی شکست، ان تمام امور پر سیر حاصل بحث کی ہے۔جگہ جگہ حوالے پیش کیے اور اس وقت کے لکھے گئے خطوط کے اقتباسات اور حوالے دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ نارو شنکر کبھی مالیگاؤں آیا ہی نہیں اور یہ کہ موجودہ

راجے بہادر کا نارو شنکر سے کوئی خاندانی رشتہ و تعلق نہیں ہے اور انھیں جاگیر کا جو فرمان عطا ہوا تھا وہ
بھی سنوات اور حقائق کی روشنی میں بقول ڈاکٹر انجم زبردست ''تاریخی فراڈ'' ثابت ہوتا ہے۔
پروفیسر کھیرنار سے انھیں جو شجرہ دستیاب ہوا ہے وہ بھی ان رشتوں کو درست کرنے میں ناکام نظر
آتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ راجے بہادر خاندان کے موجودہ ذمہ داران نے ایک بامعنی
(پُرمغز) خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور بار بار کی کوششوں کے باوجود کسی بات کی تصدیق کی نہ تردید۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ڈاکٹر اشفاق انجم کا شوق جستجو اتنے پر ہی مطمئن نہیں ہوا۔ انھوں نے مہاراشٹر یہ گیان
کوش، گووند سکھا رام دیسائی کے حوالوں اور پروفیسر کھیرنار سے حاصل شدہ شجرے کی مدد سے
موجودہ راجے بہادر کا سلسلۂ نسب ناگپور کے نارو شنکر پرتی ندھی سے جوڑنے کی کوشش کی
ہے۔ اس سارے عمل میں پوری صداقت اور دیانتداری کے ساتھ اشفاق انجم فن تاریخ نویسی
سے انصاف کرتے نظر آتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر اشفاق انجم بنیادی طور پر شاعر، نقاد، محقق و معلم ہیں۔ ''سایہ سایہ دھوپ''
(غزلوں) اور ''صلوا علیہ وآلہٖ'' (نعتوں) کے مجموعے ادبی حلقوں میں شرف قبولیت پا چکے
ہیں۔ ادیب الملک شاعر حیات حضرت ادیب مالیگانوی کی شفیق سرپرستی میں ان کی ذہنی تربیت
ہوئی ہے۔ ان کی فکری اور جبلّی صلاحیتوں کو جلا ملی ہے۔ ندرت فکر، اپج، طلب، تلاش و تحقیق،
تنقیدی طرز فکر ایسے جوہر ہیں جو انھیں شاگردانِ ادیبؔ میں نمایاں مقام و انفرادیت عطا کرتے
ہیں۔ محفلوں کی تہذیب، نشست و برخاست کے آداب اور لب و لہجے کی شائستگی سے وہ جانے
جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے لیے تلاش و تحقیق کی نئی جہتیں تلاش کر لیتے ہیں اور سدا
روشن افق کی اُور گامزن رہتے ہیں لہٰذا تاریخ نویسی کے میدان میں بھی انھوں نے ایک نمایاں
کارنامہ انجام دیا ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

مقدّمہ

تاریخ انسان کا وہ ماضی ہے جو اپنے اندر ہزاروں عبرت ناک داستانیں، ہمت و شجاعت کی
کہانیاں اور تمام شعبۂ حیات کے واقعات و سانحات سموئے ہوئے ہے۔ اس تاریخی ماضی سے
حال کی اصلاح اور مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ نویسی ایک مستقل فن ہے جس کی اوّلین شرط ایمانداری اور حقیقت نگاری ہے، لیکن اس وصف
کے مؤرخ کم ہی ہوئے ہیں، ورنہ زیادہ تر مؤرخین سلاطین کے درباروں میں وظیفہ خوار تھے اور اپنے
ممدوحین کی تعریف و توصیف میں تاریخ مرتب کرتے تھے۔ ایسے مؤرخین کے یہاں صداقت کا
عنصر کم نظر آتا ہے اور مدح زیادہ۔ ایک طبقہ مؤرخین کا ایسا بھی ہوا ہے جنھیں اس فن شریف سے دور کی
بھی نسبت نہ تھی اور انھوں نے اپنے اندازے، روایات اور غلط و نامعتبر حوالہ جات کی روشنی میں
تاریخیں مرتّب کیں اور نہ صرف یہ کہ عوام کو دھوکا دیا بلکہ اس فن شریف کو بھی داغدار کر دیا۔

موجودہ عہد میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو بہ زعمِ خود مؤرخ بن بیٹھے ہیں اور غلط تاریخیں
مرتّب کر کے ایک زمانے کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس وقت جبکہ علم اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ ماضی کی
تصویریں تک لینے کی کوششیں ہو رہی ہیں، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے پل بھر میں دنیا بھر کی
معلومات مہیا ہو جاتی ہیں ایسے دور میں بھی لوگ عوامی روایات پر بھروسہ کر کے تاریخ مرتّب کر
رہے ہیں، ایسے مؤرخین تلاش و تحقیق کے اصولوں سے بھی قطعی نابلد ہیں۔ بعض کے یہاں تو عجب
صورتِ حال ہے، ایک جگہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو آگے چل کر خود یا تو اس کی نفی کر دیتے ہیں یا
پھر خود ہی اس پر شکوک کے دبیز پردے ڈال دیتے ہیں اور ان کی یہ تاریخ چیستاں بن جاتی ہے۔
علاوہ ازیں اگر کسی تاریخی واقعے سے متعلق وہ ایک نظریہ قائم کر لیتے ہیں تو پھر اس کی تصدیق یا
تردید کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں اور جہاں سے اور جس قدر تائیدی مواد حاصل کر سکتے ہیں
کرتے ہیں لیکن اس کا تجزیہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ جو حوالے پیش کر رہے ہیں ان میں
صداقت کہاں تک ہے! اس کوشش میں وہ رطب و یابس سبھی سمیٹ لیتے ہیں اور اگر خدانخواستہ

انھیں اپنی مرضی کا مواد نہ مل سکا تو پھر "لوگ کہتے ہیں"، "اندازہ ہے"، "کہا جاتا ہے"، "سنا گیا ہے"، "معلوم ہوا ہے" جیسے ٹکڑوں کے سہارے اپنے نظریات کو حقیقت پر مبنی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نتیجتاً ایک ایسی غلط اور گمراہ کن تاریخ مرتّب کر جاتے ہیں کہ عوام اسے حقیقت سمجھ لیتی ہے اور پھر جب اصل تاریخ ان کے سامنے پیش کی جائے تو وہ اسے قبول کرنے پر جلد آمادہ نہیں ہوتے۔ ایسے مؤرخین بے حد خطرناک ہوتے ہیں اور یہ ایک زمانے کی گمراہی کے تنہا ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان کی پھیلائی ہوئی غلط روایات کی تصحیح میں دانتوں پسینہ آ جاتا ہے۔

ایسی غلط تاریخ کی توسیع اشاعت میں بعد کے آنے والے کم علم حضرات، تاریخ اور اصولِ تاریخ نویسی سے نابلد لوگ اور مؤرخ کہلانے کے شوقین حضرات اپنے اپنے طور پر حتی المقدور کوشش کرتے ہیں اور نتیجے میں غلط تاریخوں کو حقیقت کا روپ دے دیتے ہیں اور اسے ایک ایسے بُت میں تبدیل کر دیتے ہیں جس کا توڑنا مشکل اور توڑنے کی کوشش کرنے والا معتوب قرار پاتا ہے۔

مالیگاؤں کی تاریخ بھی ایسے ہی لوگوں نے مرتب کی جو تاریخ اور تاریخ نویسی کے فن سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ میرا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے اس سے میری مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان مؤرخین کی تذلیل کی جائے جنھوں نے غلط تاریخ مرتب کی ہے بلکہ میری کوشش صرف اور صرف یہ ہے کہ غلط سلط روایات کو مستند حوالوں سے رد کر کے ایک ایسی تاریخ پیش کروں جو سراسر حقیقت پر مبنی ہو۔

ایک زمانے سے مالیگاؤں کی تاریخ کے تعلق سے چند باتیں مشہور ہیں :

(۱) مالیگاؤں راجہ بنارو شنکر نے بسایا۔ (۲) مالیگاؤں کا قلعہ راجہ نارو شنکر نے ۱۷۴۰ء یا ۱۷۶۰ء میں بنوایا۔ (۳) راجہ نارو شنکر کو مغل بادشاہ عالمگیر ثانی نے مالیگاؤں سمیت ۱۸ پرگنے جاگیر انعام میں دیے۔ (۴) راجہ نارو شنکر پانی پت کی لڑائی (۱۷۶۱ء) میں سب سے زیادہ تیز طرّار جنگجو ثابت ہوا۔ (۵) نارو شنکر پانی پت کی شکست کے بعد مراٹھا پیشوا کا خزانہ حفاظت سے بچا کر لے آیا۔ اس بنا پر اسے "راجہ بہادر" کا خطاب "موتیوں کا چوکڑا" اور مالیگاؤں وغیرہ پرگنے انعام میں ملے۔

یہ اور ایسی ہی چند اور باتیں مشہور ہیں۔ اپنے طالب علمی کے زمانے سے میں بھی یہ باتیں لوگوں کی زبانی سنتا آیا تھا اور چونکہ میرا اِس تعلق سے کوئی مطالعہ نہیں تھا اس لیے میں بھی اسے حقیقت سمجھتا رہا۔

میں نے جب پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کیلئے "شعرائے مالیگاؤں" کا موضوع منتخب کیا تو میرے گائیڈ مرحوم محمد فاروقی صاحب نے جو اجمالی خاکہ مجھے دیا اس میں "تاریخ مالیگاؤں کا مختصر جائزہ" بھی شامل تھا۔ اس تعلق سے میں نے مولانا مجید کی شائع کردہ کتاب "تاریخ شہر مالیگاؤں عرف فروغ مجید" (پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۸ء، دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۵۶ء) سے استفادہ کیا اور کم و بیش وہی سب کچھ لکھا جو مولانا مجید مرحوم کی کتاب میں تھا۔ لیکن کتاب کے مطالعہ کے دوران چند باتیں ایسی بھی سامنے آئیں جنھوں نے بری طرح چونکایا لیکن چونکہ تاریخ میرا موضوع نہیں تھا اس لیے اسے نظر انداز کر کے اپنے مقالے کی تکمیل میں مصروف ہو گیا لیکن تاریخ مالیگاؤں ذہن میں برابر کھٹکتی رہی۔ جب اپنے مقالے سے تھک جاتا تو کچھ عرصہ تاریخ پر بھی کام کرتا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس پر بھی مواد جمع ہوتا رہا۔ ڈاکٹریٹ کے مقالے کی تکمیل کے بعد فرصت ہی فرصت تھی۔ ۱۹۷۶ء میں شبیر حکیم کی کتاب "ماجرائے وطن" بھی شائع ہو چکی تھی، ظ۔ انصاری مرحوم نے اس کا اجراء کیا تھا۔

ظ۔ انصاری کی تقریر نے سمندِ ناز پر تازیانے کا کام کیا۔ اتنی غلط تاریخ شاید اردو میں تو نہیں شائع ہوئی ہوگی۔ اس پر طرّہ یہ کہ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی ۱۹۸۸ء میں شائع کر دیا گیا۔

"ماجرائے وطن" کی بہت ساری خامیاں مشہور مراٹھا مؤرخ سیتو مادھو پگڑی نے بتائی تھیں۔ لیکن دوسرے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کرنے کی شاید مرتب نے ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اس نے اور مہمیز کیا۔ نتیجتاً میں اس کام میں پوری تندہی سے جٹ گیا اور آج بیس سال کی تلاش و تحقیق کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ مالیگاؤں کی مستند تاریخ پیش کر سکوں۔

راجہ نارو شنکر اور قلعہ مالیگاؤں کی تاریخ پیش کرنے سے پہلے مالیگاؤں کی تاریخ سے متعلق شائع شدہ کتابوں کا تجزیہ ضروری معلوم ہوا۔ اس لیے میں نے مولانا عبدالمجید وحید مرحوم، شبیر حکیم، حفیظ مالیگانوی حلیم صدیقی اور الیاس صدیقی کی کتابوں پر "غلطیاں اور غلط فہمیاں" کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی ہے تاکہ قارئین کو ان کتابوں کی خامیوں کا علم ہو جائے اور اس کی روشنی میں میرے پیش کردہ حقائق کا تجزیہ کر کے ایک صحیح نظریہ قائم کر سکیں۔

اپنی اس تحقیقی کتاب میں میں نے صرف مستند کتابوں کے حوالوں کے ذریعے شہر کی تاریخ

مرتب کرنے کی سعی کی ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی مفروضہ شامل نہیں کیا ہے جو کچھ بھی ہے وہ تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور تمام حوالوں کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے میرا مقصود ان غلط روایات کا خاتمہ ہے جو عوام میں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ میں نے اپنی تحقیق کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ،

(۱) مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا۔

(۲) نارو شنکر مالیگاؤں کبھی نہیں آیا۔

(۳) مالیگاؤں کے موجودہ ''راجے بہادر'' نارو شنکر کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

مندرجہ بالا نکات پر تاریخی کتب کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔ قارئین کرام بھی اس کا تجزیہ کریں اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

میں نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اسے کس نے بنوایا! اس تعلق سے تحقیقات جاری ہیں۔ قارئین بھی اگر کوشش کریں، یا اس تعلق سے رہنمائی کر سکیں تو شکر گزار رہوں گا۔

اس کتاب میں پیش کردہ حوالوں کے تعلق سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حوالے کی تمام عبارتیں مراٹھی کی کتابوں ہی سے زیراکس کر کے شامل کی گئی ہیں اور ان کے ساتھ صرف کتاب کا نام اور صفحہ نمبر دیا ہے اور تفصیلی معلومات کتابیات کے عنوان سے آخر میں درج کی ہے جس میں مصنف کا نام، ناشر و سنہ اشاعت وغیرہ شامل ہیں۔

میرے اس تحقیقی کام میں میرے محسن و مربّی پروفیسر عبدالحفیظ انصاری صاحب، سابق پرنسپل سٹی کالج (مالیگاؤں) کی رہنمائی اور پروفیسر عبداللطیف انصاری، پروفیسر ساجد انصاری، پروفیسر شاداب روشن اور خاص طور پر پروفیسر ایس۔ ڈی کھیرنار صاحب، شعبۂ تاریخ ایم ایس جی کالج، پروفیسر آر۔ کے ساگر لائبریرین کالج کا زبردست تعاون شامل رہا ہے۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

استاد محترم پروفیسر امان اللہ خان صاحب نے از راہِ شفقت اس کتاب کا مراٹھی زبان میں ترجمہ فرمایا ہے، اس شاگرد نوازی کا بالخصوص شکر گذار رہوں۔

بابِ اوّل

غلطیاں اور غلط فہمیاں

مالیگاؤں پر ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے قبضہ کیا اور انھیں کے دور میں یہاں تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے قبل یہاں کسی اسکول یا تعلیم گاہ کا وجود نہیں ملتا۔ ۱۸۸۷ء میں مدرسہ بیت العلوم کی بنیاد پڑی اس سے قبل انگریزوں نے یہاں مشنری اسکول قائم کردی تھی۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد شمالی ہند کے مہاجرین کی آمد شروع ہوئی جن میں بیشتر ''بنکر برادری'' سے متعلق تھے۔ ان مہاجرین میں بعض اہل علم بھی تھے جن میں مولانا عبداللہ صاحب نے باقاعدہ یہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا، مدرسہ بیت العلوم انھیں کی عظیم الشان یادگار ہے۔ اسی مدرسہ بیت العلوم سے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق مقصودؒ کے دور صدارت میں گیارہ علمائے کرام سند فراغت و دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے ان میں حضرت مولانا عبدالمجید وحید مرحوم بھی شامل تھے۔ ان فارغین میں حضرت حافظ مولوی محمد عثمانؒ صاحب (بانی جامعۃ الصالحات)، مولانا عبدالحمید نعمانیؒ (بانی معہد ملّت)، مولانا محمد یوسف عزیزؒ (بانی مدرسہ چراغ علوم)، مولانا جمال الدین لبیبؔ (بانی مدرسہ اسلامیہ)، مولانا عبدالحق رازیؔ (بانی جامعۃ الصالحات)، مولوی محمد حسین اشرفیؒ (مفتی مہاراشٹر) جیسے اکابرین کے نام سرفہرست ہیں جنکے ہاتھوں یہاں تعلیم و تعلّم کے ساتھ علمی و ادبی سرگرمیوں میں مزید تیزی آئی اور انھیں کے ہاتھوں باقاعدہ ''اردو نثر نگاری'' کی بنیاد پڑی اور مولانا عبدالمجید وحیدؔ مرحوم کی پہلی تصنیف ''گلشن ابراہیم خلیل'' ۱۹۱۱ میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

ان تمہیدی کلمات کا مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ ۱۹۱۱ء سے قبل مالیگاؤں میں نثر کی کوئی کتاب یا رسالہ شائع نہیں ہوا اور یہ رسالہ بھی دینی موضوع کا حامل تھا۔ نثر میں مولوی عبدالمجید وحیدؔ صاحب کے کم و بیش ۱۸ رسالے یادگار ہیں، انکے علاوہ اور کوئی نثر نگار اتنی تصنیفات کا حامل نہیں ہوا۔

مولوی عبدالمجید وحیدؔ مرحوم کے مذکورہ بالا رسائل میں ''تاریخ شہر مالیگاؤں عرف فروغ مجید'' خاص طور پر مشہور و مقبول ہوا۔ یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں مالیگاؤں کے گلی کوچوں، چوک شاہراہوں، محلوں، عمارتوں، مساجد، منادر اور درس گاہوں کا ذکر بڑی عمدگی سے اس انداز میں کیا گیا ہے جیسے ایک گائیڈ سیاحوں کو شہر کی سیر کرا رہا ہے۔ مولانا کا یہ اسلوب قابل تعریف ہے۔ یہ حصہ شہر مالیگاؤں کا گائیڈ بک کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ دوسرے حصے میں مالیگاؤں اور نارو شنکر کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اردو میں مالیگاؤں کی تاریخ کا سب سے پہلا رسالہ و ماخذ بھی یہی ہے۔ اس سے قبل اردو داں طبقہ ''تاریخ مالیگاؤں'' سے ناواقف تھا اور یہی رسالہ غلط روایات کا سرچشمہ بھی ثابت ہوا۔ اس کی خامیوں کی نشاندہی ضروری ہے اس لیے اس کا مختصراً تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم اما بعد بندۂ خاکسار ذرۂ بمقدار سراپا گنہگار۔ امیدوار بخشش آمرزگار حقیر فقیر خادم صغیر و کبیر۔ ابو العمید محمد عبدالمجید وحید سابق امام مسجد قلعہ نعمانی اشرفی چشتی صابری مالیگانوی (رب احفظنی من شر الحاسد العنید) برادران اسلام و اہل ایمان کی خدمت مین ملتمس ہے کہ نیازمند اس تاریخ شہر مالیگانوں عرف فروغ مجید کے لکھنے کا عرصہ دراز سے بیحد خیال تھا اسکے تاریخی تجسس و تفتیش مین دام و درم اور وقت کا کچھ خیال نہین کیا گیا جگہ جگہ کی خاک چھانی ہر کس و ناکس کی منت خوشامد کی۔ آج فلان دیوان و وکیل کے پاس جاکر دریافت حال کیا۔ کل فلان راجہ کے دربار مین حاضر ہو کر شاہی آداب بجالایا۔ کبھی اسکے در پر جبہ سائی کی اور کبھی اسکی خوشامد کرنے مین طبع آزمائی کی مگر افسوس جسقدر اپنی طرف سے اصرار ہوتا تھا اسیقدر دوسری جانب سے اغماض برتا جاتا تھا۔ الغرض سالہا سال کی کوشش بلیغ کے بعد شہر مالیگانوں کے راجہ نارو شنکر بہادر کے اصل خاندان و جائے پیدائش سن وفات اور اسوقت کے کچھ مختصر حالات و دیگر معلومات حاصل ہوے کہ وہ کن کن لڑائیوں مین شریک ہوے انھون نے کس کس سے نبرد آزمائی کی۔ پہلے کون تھے۔ کیونکر عزت و شہرت حاصل ہوئی کس عہدہ پر مامور تھے ان کو راجہ نارو شنکر موتی والے کیون کہتے ہین۔ انکو موتی والے کا خطاب کس نے اور کیون دیا۔ یہ سپہ سالار یا صوبیدار کب و کہان تھے انکے پدر بزرگوار اور بھائی کون تھے۔ پہلے ذریعہ معاش کیا تھا پھر کیا ہوا اور کس طرح گنجینۂ تاریخ۔ یہ تاریخی نام اسکی طباعت و اشاعت کا ہے۔ رسالۂ ہذا ماہ اگست ۱۹۲۸ء مطابق ربیع الاول ۱۳۴۷ھ طبع ہوا۔

''تاریخ شہر مالیگاؤں'' مولانا عبدالمجید وحید کے مقدمے کا پہلا صفحہ

مطبوعہ ۱۹۲۸ء بمطابق ۱۳۴۷ھ

تاریخ شہر مالیگاؤں عرف فروغِ مجید

''تاریخ شہر مالیگاؤں'' عرف فروغ مجید مولانا عبدالمجید وحیدؔ مرحوم نے اگست ۱۹۲۸ء ربیع الاول ۱۳۴۷ھ میں شائع کی۔ گنجینۂ تاریخ سے اس کی تاریخ نکالی ہے، اس کا

دوسرا ایڈیشن تواریخ مالیگاؤں کے نام سے ۱۹۵۶ء (۱۳۷۶ھ) میں شائع ہوا۔

اس رسالے کو بے حد شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور مولانا مرحوم ''مالیگاؤں کے پہلے مؤرخ'' کی حیثیت سے مشہور ہو گئے یہاں تک کہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ''تاریخ مالیگاؤں کے بکھرے اوراق'' کے نام سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں مولانا محمد حنیف صاحب ملیؔ، ڈاکٹر عزیز انصاری، ڈاکٹر الیاس صدیقی صاحبان کے مقدمے اور آراء شامل ہیں اور ان سبھوں نے مولانا وحیدؔ مرحوم کو شہر کا ''پہلا مؤرخ'' قرار دیا ہے۔ ابتدائی زمانے میں جبکہ علم اس شہر میں ''نخلستان'' کی حیثیت رکھتا تھا مولانا کو پہلا مؤرخ کہا گیا سو یہ قابل معافی ہے لیکن اس زمانے میں ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری اور ڈاکٹر الیاس صدیقی صاحبان نے بھی مولانا کو پہلے مؤرخ کا تمغہ عطا کر دیا بڑی حیرت کی بات ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات نے مولانا کی کتاب عقیدت کے جذبے سے پڑھی ہے۔ اس کا تنقیدی نظر سے مطالعہ نہیں کیا یا پھر درج ذیل نکتے پر ان کی توجہ نہیں گئی۔

''تاریخ شہر مالیگاؤں کے تینوں ایڈیشنوں میں صاف اور واضح الفاظ میں مولانا وحیدؔ نے اعتراف کیا ہے کہ '' تاریخ مالیگاؤں میں نارو شنکر کے حالات ماسک منورنجک مراٹھی پستک حصہ ۵ مطبوعہ ۱۸۹۶ء مراٹھی سے ترجمہ ہے جسکے مترجم دادا میاں راجے خاں پوسٹ مین (مالیگاؤں) ہیں۔''

پانی پت کی لڑائی اور مالیگاؤں کے قلعے پر انگریزوں کے حملے کی داستان چتر مجگت (مراٹھی) پونہ ۱۹۲۶ء اور مراٹھی پستک حصہ ۳ کا ترجمہ ہے جس کے مترجم دادا میاں پوسٹ مین اور منشی عبدالحمید پوسٹ مین ہیں۔

''مضمون 'قلعہ مالیگاؤں' بمبئی گزٹ دکن ناسک ۱۸۸۱ء سے ترجمہ شدہ ہے جس کے مترجم محمد حسن ولد محمد اسماعیل چوب فروش ہیں۔''

مولوی وحیدؔ مراٹھی اور انگریزی زبانوں سے ناواقف تھے اور ان کی کتاب میں تاریخ سے متعلق جو کچھ بھی مواد ہے وہ مراٹھی اور انگریزی سے ترجمہ شدہ ہے اور ترجمہ مولوی صاحب نے نہیں بلکہ تین دیگر افراد نے کیا ہے جنھیں یکجا کر کے مولانا نے رسالے کی شکل میں شائع کر دیا۔

اس صورت حال میں مولانا عبدالمجید وحیدؔ مرحوم نہ تو مؤرخ ہی ٹھہرتے ہیں اور نہ مترجم۔ آپ کا کارنامہ صرف اتنا ہے کہ موصول شدہ تراجم کو ایک رسالے کی شکل میں طبع فرما دیا۔ اس

لیے جو لوگ مولانا موصوف کو ''شہر مالیگاؤں کا اوّلین مؤرخ'' ہونے کا تمغہ عطا کرتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ مولانا نہ مؤرخ ہیں اور نہ مترجم! اس تعلق سے انھیں صرف طابع و ناشر ہی کہا جا سکتا ہے اور طابع و ناشر کو مؤرخ یا مصنف کہنا درست نہیں ہے اور شاید اسی غلطی فہمی کے پیدا ہونے کے خوف سے مولانا نے یہ نوٹ خاص طور پر شائع کیا تھا کہ ''نارو شنکر کے حالات، پانی پت کی لڑائی اور مالیگاؤں پر انگریزوں کی فتح کی کہانی اور مضمون قلعہ مالیگاؤں، مراٹھی کتابوں اور انگریزی گزیٹیر ۱۸۸۱ء کا ترجمہ ہیں جنکے مترجم منشی دادا میاں راجے خاں پوسٹ مین، منشی عبدالحمید پوسٹ مین اور محمد حسن ولد محمد اسماعیل چوب فروش ہیں۔'''' واضح رہے''

'' واضح رہے'' خاص طور پر تحریر کیا ہے کہ لوگ اسے مولانا کے نام سے منسوب نہ کریں۔

''شہر مالیگاؤں کے راجہ بہادر نارو ولد شنکر کا اصل وطن خاندان، ذریعۂ معاش''

'' تاریخ شہر مالیگاؤں'' کے صفحہ ۳۷ پر درج ہے : '' توضیح باد بیجا پور میں ایک صوبے دار بڑے کام پر شنکراجی پنتھ دانی کر کے ایک آدمی تھے۔ جو رگ ویدی دیس کے بہمن تھے اور خاص مقام ساسوڑ کے تھے۔ یہ شنکراجی پنتھ کے تین لڑکے تھے، ایک اباجی پنتھ دوسرا لکشمن پنتھ اور تیسرا یہ نارو پنتھ تھے۔ ان سے سنسار بہت ہی اچھا چلتا تھا لیکن شنکراجی کے مرنے کے بعد بہت ہی تنگدستی آ گئی، کیسے اور کیوں یہ کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ پھر ساسوڑ میں گذارہ نہ ہونے کے باعث یہ نارو ناسک میں آئے وہاں ایک صراف کے ذریعے روپوں کی ریزگاری بیچ بیچ کر اپنا شکم بھرنے لگے۔''

اس بیان میں یہ تو درست ہے کہ نارو شنکر کے والد کا نام شنکراجی پنت دانی تھا اور وہ بیجا پور کی عادل شاہی حکومت میں ایک اہم عہدے پر تھا اور اس کا اصل وطن پونہ سے قریب ساسوڑ تھا۔

شنکراجی کے تین بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی کوئی سند یا ثبوت پیش نہیں کیا گیا ہے۔

شنکراجی کے مرنے پر اس کی اولاد حد درجہ تنگدستی میں مبتلا ہو گئی۔ یہ بیان بھی سراسر غلط ہے۔

تنگدستی کے باعث نارو ناسک میں ریزگاری بیچ کر اپنا شکم بھرنے لگے، یہ بھی درست نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں بغیر کسی حوالے کے کہہ دی گئی ہیں جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے برخلاف نارو شنکر نے ایک شاندار آرام دہ زندگی گزاری جس کا تفصیلی ذکر اس کی سوانح میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

'' تاریخ شہر مالیگاؤں'' کے صفحات ۳۸، ۳۹، ۴۰ پر نارو شنکر کے تعلق سے تفصیلی معلومات دی

گئی ہیں ان سے چند اہم نکات کی نشاندہی کی جا رہی ہے جو غلط اور بے بنیاد ہیں اور ان کی وضاحت کے لیے ثبوت اور حوالے بھی پیش خدمت ہیں۔

(۱) ''اس بیکاری کے باعث نارو کی بھاوج نے ان کو کچھ برا بھلا کہا، اس سے یہ غصہ ہو کر سپت سینگ کے پہاڑ پر جا کر انشٹان (مراقبہ) میں بیٹھ گئے۔''

☞ ''نارو شنکر اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس کا کوئی بھائی اور بھاوج نہیں تھے۔''

(۲) ''اتفاق سے یہ نارو باندا گاؤں میں جا پہنچے۔ وہاں ایک بڑے ساہوکار کا گھوڑا بہت ہی بیمار تھا۔ وہاں کے ڈاکٹر اور حکیم اس کے علاج معالجہ سے عاجز ہو گئے تھے۔۔۔۔ اس ساہوکار نے شرط رکھ کر یوں اعلان کیا، جو آدمی اس گھوڑے کو اچھا کر دے گا اس کو میں دو ہزار روپیہ یکمشت انعام دوں گا۔ نارو شنکر کی خوش نصیبی سے مشیت ایزدی نے ان کی مدد کی، انھوں نے اس گھوڑے کا علاج کیا اور ان کو وہ دو ہزار روپیہ انعام ملا۔''

☞ نارو شنکر کا کسی ساہوکار کے گھوڑے کا علاج کرنا، طویلے میں ملازم ہونا اور دیگر تمام باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔

وٹھل شیودیو ونچورکر نہایت کاہل اور کام چور تھا۔ جس کی بنا پر اسے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ اسی نے گھوڑے کے طویلے میں ملازمت کی تھی، اسی نے پیشوا کے ساتھ شکار میں ایک جنگلی سوّر کو ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا۔ ملاحظہ ہو :

"हे विंचूरकर सरदार होते कोण ? सासवडच्या दाण्यांचा मुलगा. घरात काम करेना, पोळासारखा हिंडतो म्हणून दिला हाकलून घरच्यांनी. हा बहाद्दूर गेला सातान्याला, कोणाच्या तरी पागेत घोडयांना खरारा करायचा. एकदा शाहू महाराज शिकारीला गेले. महाराजांच्या हातचे डुक्कर निसटले म्हणून यांनी सरळ डुकरावर झेप घेतली. दोन्ही मांडचात कुत्र्याच्या पिलासारखं डुक्कर दाबून धरलं. महाराजांनी लगेच विठ्ठलरावांना शाबासकी म्हणून पागेतला घोडा दिला. बारगिरी दिली. तेव्हापासून यांची सेवा सरू झाली.'

पानीपत पालखीचा गोंडा/७

''یہ ونچورکر سردار کون تھا؟ ساسوڑ کے دانی کا بیٹا، کام کاج نہیں کرتا تھا۔ سانڈ جیسا آوارہ پھرتا تھا اسلیے گھر سے نکال دیا گیا۔ یہ بہادر ستارا چلا گیا اور کسی کے یہاں طویلے میں گھوڑوں کو کھرارا کرنے پر نوکر ہو گیا۔ ایک دفعہ شاہو مہاراج شکار کیلئے گئے۔ انھوں نے سور پر نشانہ لگایا جو

چوک گیا۔ سوّر بھاگا، یہ دیکھ کر اس نے (وٹھل نے) سوّر پر چھلانگ لگائی اور اسے اپنی دونوں جانگھوں میں کُتے کے پِلّے کی طرح جکڑ لیا۔ مہاراج نے اسکی بہادری سے خوش ہو کر اسے شاباشی دی اور بطور انعام ایک گھوڑا اعنایت کیا، بارگیری دی۔ اسوقت سے مراٹھا حکومت میں اسکی خدمت کا آغاز ہوا۔''

اسطرح وٹھل شیودیو مراٹھا حکومت میں شامل ہوا اور ترقی کرتے کرتے اہم مراٹھا سرداروں کی صف میں نمایاں مقام کا حامل بنا اور اسے ''ونچور'' کی جاگیر عطا ہوئی۔

(۳) پھر اسی ساہوکار نے ان کو (نارو شنکر کو) اپنے طویلے میں ۵۰ روپے ماہوار دے کر نوکر رکھ لیا۔''

(۴) ''کچھ عرصے کے بعد اس ساہوکار اور یہ نارو شنکر میں نااتفاقی اور شکر رنجی پیدا ہو گئی۔ آخر وہ وہاں سے دل ناراض کر کے پھر ساسوڑ ہی میں واپس چلے آئے اس کے بعد ہی مرہٹوں کی سواری اُتّر ہندوستان میں آگئی اس وقت ۱۷۳۵ء میں یہ نارو شنکر، ملہار راؤ ہولکر کی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

☞ نارو شنکر کے تعلق سے مندرجہ بالا دونوں بیانات غلط ہیں۔ (۳) کا تعلق وٹھل شیودیو سے ہو سکتا ہے، نارو شنکر سے نہیں۔ (۴) کا بھی ایک حصہ وٹھل شیودیو سے متعلق ہو سکتا ہے جبکہ وٹھل کی مراٹھا فوج میں شمولیت کا ذکر (۲) میں ہو چکا ہے۔

(۵) ''(نارو شنکر نے) اڑیسہ پرانتھ میں جا کر اس راجہ سے لڑ کر اٹھارہ لاکھ کا پرانتھ فتح کر لیا۔ جب باجی راؤ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بہت ہی خوش ہوا۔ پھر اپنے مفتوحہ ملکوں میں سے جھانسی، کوچ، کنارا، رچھ ان کو دے دیے اور وہیں ان کو صوبیدار بنا رکھا۔ اس کے بعد نارو شنکر کو راجہ بہادر کا خطاب دیا۔ ۱۷۴۲ء میں نارو شنکر راجہ بہادر سوتنتر (خود حکمراں) صوبیدار ہوئے۔''

☞ نارو شنکر اڑیسہ کبھی نہیں گیا، جبکہ وٹھل شیودیو اڑیسہ جانے والی فوج میں شامل تھا۔ نارو شنکر جھانسی وغیرہ کا صوبیدار تھا لیکن یہ سوتنتر یعنی خود مختار کبھی نہیں رہا۔ نارو شنکر کو باجی راؤ نے ''راجہ بہادر'' کا خطاب نہیں دیا۔ تفصیلات نارو شنکر کی سوانح میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۶) ''نارو شنکر نے جھانسی کو خوب بسایا اور اپنے صوبے کی گدی وہیں جھانسی میں قائم کی اس صوبیداری پر ۱۷۵۷ء تک تھے۔

☞ نارو شنکر نے جھانسی شہر بسایا اور وہ وہاں ۱۷۵۷ء تک نہیں بلکہ ۱۷۴۲ء تا ۱۷۵۶ء صوبیدار رہا۔

(۷) ''بھاؤ صاحب پیشوا نے دہلی کو سر کر لیا۔۔۔۔ خزینہ سنبھالنے کے لیے نارو شنکر کو مقرر

کیا۔۔۔ جب پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی تو نارو شنکر بڑی ہمت اور استقلال سے خزینہ کو اور بھی ہوشیاری اور خبر داری سے سنبھالنے لگے۔۔۔ مجبوراً مغلوں کے آگے کچھ نہ چلی، آخر عاجز ہو کر دہلی کا قلعہ چھوڑ کر بھاگنا ہی پڑا۔''

☜ نارو شنکر پانی پت کی شکست کے بعد خزینہ کو اور بھی استقلال اور خبرداری سے سنبھالنے لگے، یہ بھی غلط ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نارو شنکر پانی پت کی شکست کی خبر سن کر تمام خزانہ اور مال و اسباب لال قلعہ میں چھوڑ کر بڑی بدحواسی میں فرار ہوا تھا۔

پانی پت کی جنگ مراٹھوں اور افغانیوں میں ہوئی تھی، مغلوں اور مراٹھوں میں نہیں۔

(۸) ''انھوں نے ہی (نارو شنکر نے) اس شہر مالیگاؤں کو بسایا اور آباد کیا اور ساتھ ہی ساتھ مالیگاؤں کے اس بھوئیں کوٹ قلعے کو تعمیر کرنا شروع کیا جس کی بنیاد ۱۷۴۰ء میں پڑی اور دس برس میں (یعنی ۱۷۵۰ء میں) بن کر تیار ہوا۔

☜ ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' کے فرمان کے مطابق مالیگاؤں کی جاگیر نارو شنکر کو ۱۶۶۲ء میں ملی تھی۔ جبکہ نارو شنکر کی پیدائش ۱۷۰۶ء کی ہے یعنی جاگیر اس کی پیدائش سے ۴۴ سال قبل ہی مل گئی تھی۔ جاگیر دینے والا عالمگیر ثانی ۱۶۸۰ء میں پیدا ہوا یعنی یہ فرمان عالمگیر ثانی کی پیدائش سے ۱۸ سال قبل جاری ہوا۔ اس صورت میں اس فرمان کو کس طرح اصلی سمجھا جا سکتا ہے؟

جب یہ نارو شنکر کی جاگیر نہیں تھی تو یقیناً کسی اور کی ہوگی، پھر یہاں نارو شنکر نے قلعہ کیسے بنایا؟

مندرجہ بالا تمام بیانات ''ماسِک منورنجک مرہٹی پستک حصہ پانچواں، مطبوعہ ۱۸۹۶ء سے ماخوذ ہیں جسکے مترجم منشی دادا میاں راجے خاں پوسٹ مین ہیں۔ ان غلط بیانات کی ذمہ داری نہ مولانا مجید وحید پر عائد ہوتی ہے اور نہ دادا میاں پر، یہ تمام غلطیاں مراٹھی کے مضمون نگار کی ہیں۔ اسلیے میں نے ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' کا حوالہ دیا ہے مولوی مجید وحید کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا ہے۔

''تاریخ شہر مالیگاؤں'' کے صفحہ ۴۲ پر بادشاہ عزیز الدین عالمگیر ثانی کا فرمان شائع کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عالمگیر ثانی نے راجہ نارو شنکر کو مالیگاؤں سمیت اٹھارہ پرگنے بطور انعام عطا کیے تھے۔

عالمگیر ثانی کا یہ فرمان قطعی جعلی ہے اور جس نے بھی یہ جعلی فرمان تیار کیا ہے اس نے تاریخ کے ساتھ زبردست فراڈ کیا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی مذموم حرکت کی ہے۔

اس فرمان کے جعلی ہونے کے تعلق سے ثبوت و شواہد پیش کر دینا بہت ضروری ہے تا کہ

حقائق سامنے آسکیں اور غلط روایات کا قلع قمع ہو سکے۔

بادشاہ عالمگیر ثانی کا متنازعہ فرمان۔

☜ اس فرمان شاہی کے جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس میں دیے ہوئے عیسوی اور ہجری سنوات ۱۶۶۲ء مطابق ۱۰۷۶ھ میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

(۱۶۶۲ء کے مطابق ہجری سن ۱۰۷۳ ہے اور ۱۰۷۶ھ کے مطابق ۱۶۶۵ء ہے) اور یہ دونوں سنوات عالمگیر ثانی کی پیدائش ۱۶۸۰ء اور نارو شنکر کی پیدائش ۱۷۰۶ء سے بہت پہلے کے ہیں۔ یعنی یہ دونوں ہی پیدا نہیں ہوئے تھے اور فرمان جاری ہو گیا۔

(۱) ''بادشاہ عزیز الدین عالمگیر ثانی کی مہر سے یہ فرمان ۱۶۶۲ء (۱۰۷۶ھ) میں جاری ہوا۔''

☜ بادشاہ عزیز الدین عالمگیر ثانی ۱۶۸۰ء میں پیدا ہوا۔ یہ جہاندار شاہ کا بیٹا تھا۔ ۲ جون ۱۷۵۱ء مطابق شعبان ۱۱۶۷ھ کو بادشاہ احمد شاہ کی معزولی کے بعد تخت نشین ہوا۔ عالمگیر ثانی نے ۵ برس حکومت کی اور ۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء مطابق ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۲ھ کو قتل کر دیا گیا۔

''غور کیجئے کہ ۱۶۸۰ء میں پیدا ہونے والا ۱۶۶۲ء میں اپنی پیدائش سے ۱۸ برس پہلے کس طرح فرمان جاری کر سکتا ہے۔''

(۲) ''فرمان کی رو سے اس وقت مدار المہام ''عماد الملک'' تھا۔''

☜ عالمگیر ثانی کو تخت پر بٹھانے والا غازی الدین تھا، وہی مدار المہام یعنی وزیر اعظم بھی تھا اور اسی نے عالمگیر ثانی کو ۱۷۵۹ء میں قتل بھی کیا تھا۔

(۳) فرمان میں یہ جملہ بھی تحریر ہے ''شرح دستخط وزیر الممالک مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر فتح جنگ سپہ سالاری حکم شد کہ فرمان بنویسد۔''

''وزیر الممالک مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر فتح جنگ'' سپہ سالار کو حکم ہوا کہ فرمان لکھے۔''

☜ اس سے قبل (۲) مدار المہام ''عماد الملک'' کو بتایا گیا ہے اور یہاں اسی فرمان میں مدار المہام ''آصف جاہ'' کو بتایا جا رہا ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی فرمان میں دو دو وزرائے اعظم کا ذکر ہے اور اس وقت ان دونوں کی بجائے ''غازی الدین'' مدار المہام تھا۔ اس صورت میں فرمان نویسی کا حکم غازی الدین کو دیا جانا چاہیے تھے نہ کہ آصف جاہ کو پھر آصف جاہ سپہ سالار تھا، فرمان نویسی وغیرہ معاملات میں سپہ سالار دخیل نہیں ہوتا۔

(۴) فرمان میں ایک جملہ یہ بھی ہے :''از فضل و کرم امیدوار است کہ فرمان والا شان

بدستور سنتاجی بھاگ و گنگا دھر وغیرہ مرحمت شود۔'' ''فضل و کرم سے امیدوار ہوں کہ یہ فرمان والا شان بدستور سنتاجی بھاگ اور گنگا دھر وغیرہ کو مرحمت ہو۔''

اس فرمان میں یہ جملہ بڑا ہی عجیب وغریب ہے، جاگیر نارو شنکر کو عطا کی جا رہی ہے اور گذارش یہ ہے کہ یہ فرمان بدستور یعنی حسب سابق سنتاجی بھاگ اور گنگا دھر کو مرحمت کیا جائے ان دونوں کو کیوں دیا جائے؟ سنتاجی بھاگ اور گنگا دھر کے نام نارو شنکر کے ساتھ کہیں بھی نہیں آئے اور نہ اس کی نسل ہی میں اس نام کے لوگ گزرے ہیں پھر اس فرمان سے آخر ان دونوں کا کیا تعلق ہے؟ دیگر فرمان میں حکم دیا جاتا ہے درخواست نہیں کی جاتی!؟

بہت ممکن ہے کہ ایسا کوئی فرمان سنتاجی بھاگ و گنگا دھر کے نام کبھی جاری ہوا ہو اور کسی نے اس میں ردّ و بدل اور کتر بیونت کر کے اس میں نارو شنکر کا نام شامل کر دیا ہو اور اصل فرمان کی مہر اور ناموں کی تبدیلی سے یہ جعلی فرمان تیار کیا گیا ہو۔

(۵) نارو شنکر پہلی بار دسمبر ۱۷۶۰ء میں مراٹھا سپہ سالار بھاؤ اور ولی عہد وشواس راؤ کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ اس سے قبل وہ دہلی کبھی نہیں گیا اور نہ عالمگیر ثانی سے اس کا کوئی ربط و تعلق تھا۔ عالمگیر ثانی ۱۷۵۹ء میں قتل ہو چکا تھا پھر ۱۷۶۲ء میں وہ اسے جاگیر کس طرح دے گا؟

(۶) ۱۷۶۲ء میں پورے مہاراشٹر میں مراٹھوں کی حکومت تھی۔ یہی نہیں بلکہ ۱۷۴۲ء تا ۱۷۶۰ء شمالی ہند میں بشمول جھانسی، اورچھا، پنجاب تک مراٹھے چھا گئے تھے۔ مغل حکومت سمٹ کر دہلی تک محدود ہو گئی تھی۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی، غازی الدین کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ مراٹھی حکومت کے علاقے عالمگیر ثانی کس طرح جاگیر اور انعام میں دے سکتا تھا؟

بہر حال یہ فرمان قطعی جعلی ہے۔ کوئی شخص اپنی پیدائش سے ۱۸ سال پہلے کس طرح فرمان جاری کر سکتا ہے؟ اس فرمان کا یہی حال ہے کہ ۱۶۶۲ء میں جاری ہوا اور جاری کرنے والا ۱۶۸۰ء میں پیدا ہوا' اس صورت حال میں کسی طرح یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ

''عالمگیر ثانی نے نارو شنکر کو مالیگاؤں کی جاگیر عطا کی۔''

''مرہٹی ریاست پانی پت کی لڑائی کا مضمون''

مندرجہ بالا عنوان کے تحت تاریخ شہر مالیگاؤں کے صفحات ۴۲/۴۳ پر پانی پت کی لڑائی کا تذکرہ ہے۔ اس میں بھی کئی غلطیاں اور خامیاں ہیں جن کا ذیل میں تجزیہ پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمنا ندی کے کنارے ابدالی کی لڑائی ہوئی اس میں مراٹھوں کی طرف سے ۲۹ جنوری ۱۷۶۰ء کو یہ ناروشنکر شامل ہوئے۔

☞ یہ غلط بیان ہے۔ ناروشنکر اس وقت دہلی کے لال قلعہ میں تھا۔ اس نے کسی بھی میدان میں ابدالی کی فوجوں کا سامنا نہیں کیا۔ مزید یہ کہ پانی پت کی لڑائی جنوری ۱۷۶۱ء میں ہوئی، ۲۹ جنوری ۱۷۶۰ء میں نہیں، اس طرح تو ایک سال کا فرق ہو جاتا ہے۔

(۲) ۱۰ جنوری ۱۷۶۴ء کو جب ابدالی دہلی پر حملہ آور ہوا اس وقت مرہٹوں کی طرف سے آباجی آٹورے، یشونت راؤ پوار، انتاجی مانکیشور، شمشیر بہادر، ناروشنکر، وٹھل شیو دیو ونچورکر وغیرہ سب سردار مقابلے میں ہو کر اس لڑائی میں شریک ہوگئے۔

☞ پانی پت کی لڑائی جنوری ۱۷۶۴ء میں نہیں بلکہ ۱۷۶۱ء میں ہوئی۔ اس جنگ میں ناروشنکر شامل نہیں تھا بلکہ وہ لال قلعہ میں تھا، اس کے وہاں سے فرار کے بعد ابدالی دہلی پہنچا تھا۔

(۳) ۲ ستمبر ۱۷۶۰ء کو مرہٹے جب ابدالی کی لڑائی میں تھے اس وقت دہلی میں ۶۵ ہزار کی فوج کے بندوبست پر ناروشنکر کو رکھا۔

☞ پانی پت کی لڑائی کے سنوات ہر جگہ الگ الگ ہیں کہیں ۱۷۶۰ء کہیں ۱۷۶۴ء کہیں جنوری، کہیں ستمبر؟ ایسا کیوں ہے سمجھ میں نہیں آتا یہ مؤرخ کی غلطی ہے یا کتابت کی؟ اس کے باوجود یہاں تضاد بیانی ملاحظہ ہو۔ نمبر ۱/۲ میں ناروشنکر کو پانی پت کے میدان میں ابدالی کے مقابل بتایا جا رہا ہے اور (۳) لال قلعہ میں، ناروشنکر لال قلعہ میں تھا لیکن اس کے ساتھ ۵ ہزار نفری تھی ۶۵ ہزار نہیں۔

(۴) نارو کے بھائی آباجی اور لکشمن یہ دونوں انھیں ناروشنکر کے ساتھ ہی رہتے تھے اور لکشمن کا لڑکا وشواس راؤ صوبیداری پر بہت دن تک جھانسی میں رہا۔

☞ ناروشنکر کا صرف ایک سگا بھائی جناردن تھا جو کمسنی میں ہی فوت ہو گیا تھا، اس طرح ناروشنکر واحد اولاد تھا۔ آباجی اور لکشمن اس کے بھائی نہیں تھے اور وشواس راؤ لکشمن جو جھانسی کا صوبیدار ہوا وہ ناروشنکر کا بھتیجا نہیں تھا۔ اس تعلق سے تفصیلی بحث ناروشنکر کی سوانح اور اس کے شجرہ کے تجزیے میں ملاحظہ فرمائیے۔

مضمون کے آخر میں ناروشنکر کا مختصر سا شجرۂ نسب پیش کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

شنکر راؤ دانی
- ناروپنتھ
  - راگھوپنتھ
  - ترمبک راؤ
    - رنگراؤ
    - بالا صاحب
    - گوپال راؤ
    - کیشوراؤ
    - مادھوراؤ
- آباجی پنتھ
- لکشمن پنتھ
  - وشواس راؤ
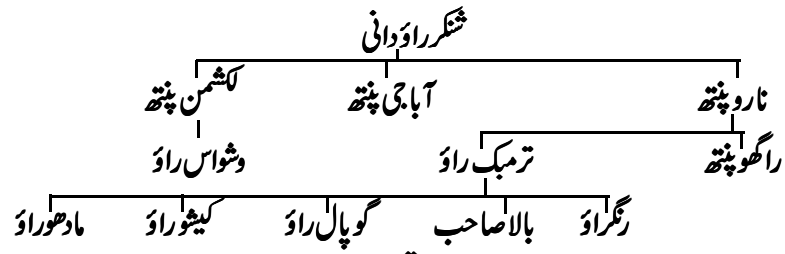
میری تحقیق کے مطابق یہ شجرہ غلط ہے۔ اس پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

"تاریخ شہر مالیگاؤں" کے تعلق سے ایک بار پھر مولوی عبدالمجید وحیدؔ کی تحریر پڑھ لیجئے۔

"مالیگاؤں کے قلعہ کی لڑائی کا حال بالتفصیل ایک انگریز صاحب نے بزبان انگریزی بمبئی گزٹ دکن ناسک ۱۸۸۱ء میں لکھا ہے جس کا ترجمہ محمد حسن ولد محمد اسماعیل چوب فروش نے مختصراً لکھ دیا ہے۔ میں ان کا بیحد شکر گذار ہوں۔۔ اور مرہٹھی اخبار "چتر مئے جگت" کا ترجمہ اور مراٹھی پستک ۳ اور ۵ کا ترجمہ منشی دادا میاں پوسٹ مین اور منشی عبدالحمید پوسٹ مین نے کر دیا ہے چونکہ یہ احقر مورّخ ان دونوں علموں سے محروم اور نا بہرہ ہے۔ فقط :"

مولوی عبدالمجید وحیدؔ صاحب کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام تر مواد ترجمہ پر مبنی ہے جو خود انھوں نے نہیں بلکہ تین دیگر افراد نے کیا تھا۔ ان حضرات کے ترجمے کی اصلاح اور الفاظ و جملوں کا دروبست مولانا کی دست کاری کی شہادت دیتے ہیں اور شاید اسی لیے انھوں نے خود کو مؤرخ لکھ دیا ہے اگرچہ وہ مؤرخ نہیں بلکہ کتاب کے مولف، طابع و ناشر ہیں۔

"تاریخ مالیگاؤں کے بکھرے اوراق"

بشیر ادیب صاحب نے مختار ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت "تاریخ شہر مالیگاؤں" مولفہ مولوی عبدالمجید وحید کا تیسرا ایڈیشن فروری ۱۹۹۹ء میں "تاریخ مالیگاؤں کے بکھرے اوراق" کے نام سے شائع کیا۔ بشیر ادیب صاحب کا علم اور تاریخ دانی اظہر من الشمس ہے۔ انھوں نے تاریخ شہر مالیگاؤں کو من و عن شائع کر دیا ہے۔ اس میں کتابت اور سنوات وغیرہ کی جو خامیاں تھیں وہ بھی درست نہیں کی گئیں مزید برآں عبدالحلیم کاردار صاحب، الیاس صدیقی صاحب، مولانا محمد حنیف ملی مرحوم اور ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری صاحب نے مقدمہ اور آراء کی صورت میں جو کچھ بھی قلم بند فرمایا ہے ان کی خامیاں بھی قابل توجہ ہیں۔

کتاب کے صفحہ ۳ پر عبدالحلیم کاردار صاحب رقم طراز ہیں : ''مولوی عبدالمجید نے بڑی جدوجہداور کوشش بلیغ کے بعد ۱۹۲۷ء میں ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' المعروف بہ فروغِ مجید تالیف کی۔''

''۱۹۵۴ء میں اس کی دوبارہ طباعت ہوئی۔''

کاردار صاحب کے دونوں بیانات غلط ہیں۔ ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۷ء، تین برسوں میں تالیف ہوئی۔ اگست ۱۹۲۸ء، ربیع الاول ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوئی۔

اس کتاب کی دوسری اشاعت ۱۹۵۴ء میں نہیں بلکہ ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ شائد کاردار صاحب کی نظر سے اس کا کوئی بھی ایڈیشن نہیں گزرا اور انھوں نے اندازے سے ''حرف مدّعا'' تحریر فرما دیا۔

''مؤرخ اوّل: مولانا وحیدؔ'' کے عنوان سے الیاس صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

''مولانا وحیدؔ کی تصنیفات میں سب سے اہم ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' عرف فروغِ مجید شائع شدہ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۵۷ء''

حلیم کاردار صاحب دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کا سنہ ۱۹۵۴ء لکھتے ہیں اور الیاس صدیقی صاحب ۱۹۵۷ء اور دونوں ہی غلط ہیں۔ اصل سن اشاعت ۱۹۵۶ء ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا ۱۹۲۴ء میں نہیں اور مولانا مجید وحید صاحب مؤرخ ہی نہیں تھے تو اوّلین مؤرخ کس طرح ہوئے؟

''مولانا عبدالمجید فروغؔ مالیگاؤں کے اوّلین اہل قلم'' از مولانا محمد حنیف ملیّ مرحوم

مولانا عبدالمجید کا تخلص وحیدؔ تھا فروغؔ نہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب کا تاریخی نام ''تاریخ شہر مالیگاؤں، عرف فروغِ مجید'' تجویز فرمایا تھا۔ ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' سے ۱۹۲۴ء اور فروغ مجید سے ۱۳۴۳ھ نکلتا ہے۔ جبکہ کتاب ۱۹۲۸ء میں طبع ہوئی اور اس کی طباعت و اشاعت کا سن ''نگینۂ تاریخ'' سے ۱۹۲۸ء نکالا ہے۔ مولانا ملیّ نے عبدالمجید وحیدؔ کو عبدالمجید فروغؔ کر دیا اور ناشر و مرتب نے آنکھیں بند کر کے اسی طرح شائع بھی کر دیا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری صاحب نے بڑا عمدہ مقدمہ لکھا ہے جس کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ آپ نے تاریخ نویسی کی ابتداء اور ارتقاء پر بڑی عمدگی سے خامہ فرسائی کی ہے۔ لیکن انھوں نے بھی شاید مولانا عبدالمجید وحیدؔ مرحوم کی کتاب توجہ سے نہیں پڑھی یا پھر ممکن ہے بغیر کتاب

پڑھے ہی مقدمہ تحریر فرما دیا ہو (اکثر ماہرین اس ہنر سے بھی کام لیتے ہیں)

ڈاکٹر موصوف نے بھی مولانا وحیدؔ صاحب کو پہلا مؤرخ قرار دیا ہے جس کی تردید پہلے ہی کر دی گئی ہے کہ مولانا موصوف مؤرخ نہیں تھے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کا یہ جملہ بھی محلِ نظر ہے۔

''مولوی عبدالمجید صاحب نے فن تاریخ نویسی کے اصول وضوابط کا مطالعہ نہیں کیا۔ حیرت ہوتی ہے جب یہ اصول انکی اس تاریخی کتاب میں جھلکتے ہیں۔'' ڈاکٹر عزیز نے مولانا مجید کے اس بیان کو مدنظر رکھا ہوتا تو شاید ان کو حیرت نہ ہوتی اور یہ سطریں نہ لکھتے۔ مولانا لکھتے ہیں: ''مراٹھی پستک اور انگریزی گزیٹئر کا ترجمہ منشی دادا میاں پوسٹ مین، منشی عبدالمجید پوسٹ مین اور محمد حسن ولد اسماعیل صاحب نے کیا ہے اور مزید یہ کہ مولف (مولانا) ان دونون زبانوں سے محروم اور نابہرہ ہیں۔''

جب مولانا نے تاریخ لکھی ہی نہیں تو پھر اصول تاریخ نویسی خارج از بحث ہیں۔

''تاریخ شہر مالیگاؤں'' کے پہلے اور دوسرے ایڈیشنوں میں کتابت کی جو خامیاں تھیں وہ بھی ویسی کی ویسی ہی شائع کر دی گئیں جبکہ ضروری تھا کہ ان کی تصحیح کر دی جاتی مثلاً

''عالمگیر شاہ ثانی کے فرمان کے تعلق سے صفحہ ۵۸ پر درج ہے:

''لقب غازی بادشاہ عالمگیر ثانی اور نام محمد عزیز الدین تھا اور یہ جہاندار شاہ کے بیٹے تھے۔ یہ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوئے، ۲ ماہ جون ۱۷۵۱ء میں تخت نشین ہوئے اور ۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء میں قتل کر دیا گیا۔

ملاحظہ فرمایئے ۱۷۸۰ء میں پیدا ہونے والا شخص اپنی پیدائش سے پہلے ۱۷۵۱ء میں بادشاہ بنا اور پیدائش سے پہلے ہی ۱۷۵۹ء میں مر بھی گیا۔

عالمگیر ثانی کی پیدائش ۱۶۸۰ء کی ہے، ۱۷۸۰ء کی نہیں۔ بشیر ادیب کو چاہیے تھا کہ ایسی غلطیوں کی اصلاح کر کے کتاب شائع کرتے لیکن انھوں نے بھی مکھی پر مکھی مارنے کی سعی نامشکور کو کافی سمجھا اور تمام خامیاں ویسی ہی رہ گئیں۔

''ماجرائے وطن'' مولفہ شبیر حکیم

پہلا ایڈیشن ۱۹۷۶ء : دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء

ڈاکٹر شیخ سلیم مرحوم اپنے برادر خرد ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم صاحب مقیم مانچسٹر سے ملاقات کے لیے انگلستان گئے اور وہاں سے واپسی میں ناسک گزیٹئیر کی فوٹو کاپیاں لائے جس میں مالیگاؤں

کے تعلق سے بہت کچھ معلومات درج تھیں۔ڈاکٹر سلیم نے مقامی ہفت روزہ اخبار ''بے باک'' میں اس کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا لیکن ان کی مصروفیات کی بنا پر یہ سلسلہ دو تین اقساط سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام مسوّدہ مدیر بیباک جناب ہارون بی اے کے سپرد کر دیا۔ ہارون صاحب نے شبیر حکیم کے حوالے کر دیا اور حکیم صاحب نے کئی اقساط بے باک میں ترجمہ کر کے شائع کیں۔اسی دوران انھیں تاریخ نویسی کا خیال آیا اور انھوں نے ''ماجرائے وطن'' کے نام سے مالیگاؤں کی تاریخ تالیف کی، چونکہ حکیم صاحب کا تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اس لیے جہاں بھی مالیگاؤں یا بگلانہ (باگلان) کا نام نظر آیا اس عبارت کو سمیٹ لیا، نہ اس کی تحقیق کی نہ تجزیہ کیا۔ نتیجے میں ایک ایسی تاریک مرتب کر ڈالی جو سراسر غلط اور انتہائی گمراہ کن ہے اس پر طرّہ یہ کہ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کر دیا۔

ذیل میں ماجرائے وطن کی خامیوں کا جائزہ پیش خدمت ہے:

(۱) عرض مولف کے عنوان سے شبیر حکیم رقمطراز ہیں : ''کارل مارکس نے ہندوستانی تاریخ پر حاشیے ''Notes on Indian History'' میں لکھا :

Besides some important forts Thalner, Maligaon and Asirgarh were captured in that last war show, 1818"

''علاوہ ازیں چند اہم قلعے تھالنیر، مالیگاؤں اور اسیر گڑھ اس آخری جنگی تماشے میں فتح کیے گئے ۱۸۱۸ء'' ''خوشی کی بات ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے مفکر کا قلم میرے وطن پر اٹھا اور اس کے قلعے کو اہم قلعہ بتایا۔'' (صفحہ ۷)

☆ شبیر حکیم نے مارکس کی کتاب کا مکمل حوالہ نہیں دیا کہ ان کا بیان کتاب کے کس صفحے اور کس ایڈیشن سے ماخوذ ہے۔ میں نے مارکس کی کتاب دیکھی لیکن مندرجہ بالا عبارت کہیں نہیں ملی۔ کہیں یہ جناب کی اختراع تو نہیں؟

اس میں ایک تاریخی غلطی یہ بھی ہے کہ اسیر گڑھ ۱۸۱۸ء سے قبل ہی انگریزوں کے قبضے میں آچکا تھا۔پیشوا دفتر حصہ ۴۱ نمبر ۲۲۸ میں ۱۲/جون ۱۸۱۸ء کا ایک خط ہے جس کی عبارت یہ ہے :

पे०द०, भा० ४१, नं० २२८	२४७. बाजीराव मालकमच्या स्वाधीन	१२-६-१८१८

مجھے مراٹھا تاریخ میں یہ پہلا خط ملا ہے جس میں شکے اور ہجری سنوات کی بجائے انگریزی تاریخ اور سنہ نظر آیا۔ انگریزی تاریخ کا استعمال اس امر کا شاہد ہے کہ انگریزوں کے برہانپور پر قبضے کو اتنا عرصہ تو ضرور ہوا کہ خطوں میں انگریزی تاریخ اور سنوات رائج ہو گئے تھے۔

لال باغ، برہانپور سے چند میل کے فاصلے پر ہے اس وقت یہ فوجی چھاؤنی تھا۔ برہانپور پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور جنرل ڈفٹن وہاں موجود تھا۔

کیپٹن نیر، پارولہ میں تھا جہاں اس نے ایک مراٹھا فوجی ٹکڑی کو روکا، انھوں نے اجازت نامہ دکھایا تو انھیں وہاں سے آگے جانے دیا گیا۔ ''مالیگاؤں اب تک لڑ رہا ہے'' ۱۲/جون ۱۸۱۸ء کی خبر ہے۔اس سے قبل ہی برہانپور یعنی اسیر گڑھ پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔

میرے نزدیک کارل مارکس کا محولہ بالا بیان مشتبہ ہے۔شبیر حکیم صاحب نے ایک زبردست غلطی اور کی ہے یعنی انھوں نے ''جالنہ'' کو ''گالنہ'' کر دیا اور تمام تر تاریخ کو مسخ کر ڈالا۔

ایک زمانے میں انگریزی "Gh" کا تلفظ ''جھ'' ادا کیا جاتا تھا۔ یہ مراٹھی تلفظ ہے۔جس طرح مراٹھی داں طبقہ ''آزاد'' کو ''آجھاد'' اور زیراکس'' کو ''جھیراکس'' کہتا ہے۔اسی طرح انگریزی میں تحریر لفظ "Ghalana" کو ''جھالنہ'' پڑھا جاتا تھا۔شبیر حکیم نے اسے ''گالنا'' پڑھا اور پھر جہاں جہاں انھیں ''جالنہ'' نظر آیا اسے بلا تکلف ''گالنہ'' کر دیا اور اس طرح ایک انتہائی غلط تاریخ مرتب کر ڈالی۔ ذیل میں ان کے بیانات اور ان کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ۱۴۸۷ء میں مَلک وجیہہ نے جو دولت آباد میں بہمنی سرکار کا حاجب تھا' گالنہ کو دوبارہ فتح کیا۔'' (ص ۱۲)

☆ ملک وجیہہ اور ملک اشرف یہ دو سگے بھائی تھے جو پہلے محمود گاواں کے ملازم تھے بعد میں یہ محمود

شاہ بہمنی کے سلح داروں میں شامل ہوگئے۔

نائب الملک نظام شاہ بحری (احمد نظام شاہ کا باپ) نے انھیں امراء کے زمرے میں داخل کر کے ملک وجیہہ کو قلعہ دولت آباد کا تھانیدار اور ملک اشرف کو شہر کا حاکم مقرر کیا۔ انھوں نے ''جالنہ'' فتح کیا تھا ''گالنا'' نہیں۔ دیکھیے ''تاریخ فرشتہ'' حصہ دوم، صفحہ ۲۷۹

احمد نظام شاہ دولت آباد حاصل کرنے کا خواہشمند تھا جو ایک مشکل امر تھا اس لیے اس نے یہ ترکیب کی کہ اپنی بہن زینب بی بی کی شادی ملک وجیہہ سے کردی جس سے ایک بیٹا ''موتی'' پیدا ہوا۔ بعد میں ملک اشرف نے حکومت کے لالچ میں اپنے بھائی ملک وجیہہ اور بھتیجے موتی کو قتل کر دیا۔ اس وقت جالنہ پر ایک مراٹھا سردار قابض ہوگیا تھا۔ دیکھیے ''تاریخ فرشتہ'' صفحہ ۲۷۹

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ علاقہ ''جالنہ'' ہے ''گالنہ'' نہیں۔

(۲) ۱۵۰۷ء میں احمد نگر کے احمد نظام شاہ نے اس علاقے ''گالنہ'' پر قبضہ کیا اس کی موت کے بعد گالنہ کے سردار نے دوبارہ علم بغاوت بلند کیا۔ ۱۵۳۰ء تک وہ خودمختار رہا۔ (صفحہ ۱۲)

☜ انتہائی لغو بیان ہے۔ بقول سید علی طبا مولف برہان مآثر (صفحہ ۲۲۸) احمد نظام شاہ کا انتقال ''احدی عشر تسعمایۃ'' یعنی ۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ء میں ہوا اور شبیر حکیم فرماتے ہیں کہ ۱۵۰۷ء میں احمد نظام شاہ نے ''گالنہ'' پر قبضہ کیا یعنی اپنی موت کے دو برس بعد۔ سبحان اللہ! گالنہ کے کس سردار نے علم بغاوت بلند کیا، اس کی بھی وضاحت نہیں کی گئی۔

(۳) ۱۶۷۹ء میں شیواجی نے بھیما دریا کو پار کیا، گالنہ فتح کیا۔ (صفحہ ۱۴)

☜ شیواجی نے گالنہ پر کبھی بھی حملہ نہیں کیا۔ ہاں جالنہ پر ضرور حملہ کیا تھا۔

(۴) ۱۵۷۹/۸۰ء کے درمیان مرتضیٰ نظام شاہ کے وزیر صلابت خاں نے اس علاقے (گالنہ) پر محمود شاہ بہمنی سے زیادہ بہتر حکومت کی۔ (صفحہ ۱۲)

☜ صلابت خاں مرتضیٰ نظام شاہ کا وزیر تھا۔ دولت آباد اور جالنہ کی صوبیداری پر متعین تھا ''گالنہ'' میں نہیں۔ یہ بیان بھی دلچسپ ہے کہ اس نے مرتضیٰ نظام شاہ کی بجائے محمود بہمنی سے زیادہ بہتر حکومت کی!؟

(۵) ۱۷۰۴ء میں اورنگ زیب نے گالنہ کے قلعے پر حملہ کیا اور ۱۷۰۵ء میں فتح کیا۔ (صفحہ ۱۵)

☜ اورنگ زیب کبھی گالنہ پر حملہ آور نہیں ہوا، یہ بھی جالنہ ہے۔

برہانپور اور گالنہ اکبر کے زمانے ہی میں مغلیہ سلطنت میں شامل ہوگئے تھے۔ خانِ خاناں اور اکبر کے بیٹے مراد نے گالنہ کی چھاؤنی سے نکل کر احمد نگر پر حملہ کیا تھا اور مراد چاند بی بی سے شکست کھا کر نامراد واپس ہوا اور دہلی واپس جاتے ہوئے راستے ہی میں انتقال کر گیا تھا۔

(۶) رائے کرن جو انہیل واڑہ کے راجاؤں میں آخری تھا بھاگ کر باگلان پہنچا اور وہاں اپنی آزادی قائم رکھی۔ یہ وہی رائے کرن ہے جس کی ''بیوی'' دیول دیوی تھی جو امیر خسرو کی مثنوی کا عنوان بنی۔ (صفحہ ۲۰)

☜ رائے کرن نے باگلان پہنچ کر اپنی آزادی قائم رکھی! کیا مطلب ہوا؟ کیا وہ وہاں کا حکمراں بن بیٹھا؟ جبکہ شبیر حکیم ہی کی تحریر کے مطابق اس وقت باگلان میں راجہ بہرجی کی حکومت تھی۔ دیول دیوی اور خضر خاں بن علاؤالدین خلجی کے واقعے کا ذکر فرشتہ بھی کرتا ہے اور یہ ۱۲۹۴ء کی بات ہے۔

علاوہ ازیں جناب نے دیول دیوی کو رائے کرن کی بیوی لکھا ہے جبکہ وہ رائے کرن کی بیٹی تھی۔ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں دیول دیوی کو رائے کرن کی بیٹی لکھا ہے لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ انھوں نے پہلے ایڈیشن میں غلط لکھا تھا جسے یہاں درست کیا گیا ہے۔ اب مشکل یہ ہوگی کہ جس نے کتاب کا پہلا ایڈیشن پڑھا وہ دیول دیوی کو رائے کرن کی بیوی سمجھے گا اور دوسرا ایڈیشن پڑھنے والا بیٹی! اور جس نے دونوں پڑھ لیا وہ اس الجھن میں رہے گا کہ صحیح کیا ہے؟ بیٹی یا بیوی!!؟

(۷) ۱۳۷۰ء میں ملک راجہ علی خاں، سلطنت فاروقیہ کا خودمختار حکمراں تھا پھر اس نے بہرجی والئی باگلان کو شکست دے کر حکومت دہلی کا مطیع بنایا اور اسے خراج دینے پر مجبور کیا؟

☜ ملک راجہ علی خان بانی سلطنت فاروقیہ خودمختار حکمراں تھا، پھر اس نے راجہ بہرجی کو اپنی بجائے حکومت دہلی کا مطیع کیوں بنایا؟ پھر خراج بھی اسے خود وصول کرنا چاہیے تھا۔ اس بیان میں ۱۳۷۰ء اور بہرجی یاد رکھیے۔

(۸) ۱۵۷۳ء میں شہنشاہ اکبر نے گجرات فتح کیا۔ باگلان کا راجہ بہرجی تین ہزار گھوڑوں کے ساتھ شہنشاہ کی قدم بوسی کے لیے سورت آیا۔ (صفحہ ۲۱)

☜ بیان نمبر ۷ میں ۱۳۷۰ء میں راجہ علی خاں نے بہرجی کو شکست دی وہی بہرجی ۱۵۷۳ء میں اکبر کی قدم بوسی کو سورت پہنچتا ہے۔ اس دونوں واقعات میں ۲۰۳ برسوں کا فاصلہ ہے۔ کیا بہرجی کی عمر

تین سو سال کے لگ بھگ تھی؟ ''بہارجی'' بہرجی اکبر کے بادشاہ بننے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔
پروفیسر شنکر کڑوکا پڑنیس لکھتے ہیں،

इ.स. १६३८ मध्ये औरंगजेब बादशहाने बागलाण जिंकून घेतला. 'राजा बहिरजी' संपूर्णपणे शरण आला. त्याने त्याच्या ताब्यातील किल्ले आणि मालमत्ता बादशहाच्या स्वाधीन केली. **बागलाण इतिहास दर्शन** / २

''عیسوی سن ۱۶۳۸ میں اورنگ زیب بادشاہ نے باگلان فتح کرلیا۔ راجہ بہرجی مکمل طور پر اس کی امان میں آ گیا۔ اس نے اپنے مقبوضہ قلعے اور تمام مال و دولت بادشاہ کے حوالے کر دیئے۔''

تعجب ہے کہ راجہ بہرجی کا ذکر فرشتہ علاؤالدین خلجی (۱۲۹۴ء) کے وقت کرتا ہے۔ شبیر حکیم اسے ۱۵۷۳ء اکبر کے عہد تک زندہ رکھے ہوئے ہیں اور اب کا پڑنیس صاحب راجہ بہرجی کو اورنگ زیب کے زمانے ۱۶۳۸ء میں حیات بتلاتے ہیں۔ کیا یہ راجہ بہرجی آب حیات پی کر آیا تھا؟ علاوہ ازیں کسی بھی مؤرخ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ بہرجی خاندانی نام یا لقب یا خطاب ہے اور یہ بہرجی اول، دوم یا سوم ہیں۔ ہر جگہ صرف ''بہرجی'' نام نظر آتا ہے۔ اگر یہ ایک ہی شخص ہے تو فرشتہ کے علاوہ سبھی مؤرخین غلط ہیں۔

(۹) ۱۵۹۹ء میں جب شہنشاہ اکبر نے خاندیش فتح کیا تو باگلان حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ پرتاپ شاہ وہاں کا سردار تھا۔ محاصرہ سات سال تک رہا۔۔۔ شہنشاہ اکبر نے مجبور ہو کر سردار سے صلح کر لی۔ (صفحہ ۲۱)

☜ اکبر سورت اور مالوہ سے آگے بڑھا ہی نہیں۔ خاندیش میں اس کی آمد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اکبر کا دور حکومت ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک تھا۔ اب اگر شبیر حکیم کے بیان کو درست مان لیا جائے تو ۱۵۹۹ء سے سات سال تک اکبر نے باگلان کا محاصرہ جاری رکھا یعنی ۱۶۰۶ء تک۔ اکبر کی وفات ۱۶۰۵ء میں ہوئی تو پھر کیا ۱۶۰۶ء میں اپنے مرنے کے ایک سال بعد اکبر نے صلح کی؟ شبیر حکیم کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کی موت خاندیش میں ہوئی۔ کیا واقعی ایسا ہے؟

یہ شبیر حکیم کی کرامت ہے کہ احمد نظام شاہ اور شہنشاہ اکبر کو مرنے کے بعد بھی زندہ رکھا ہے۔

(۱۰) احمد نگر کے نظام الملک کے چھوٹے بھائی برہان الملک نے اس سے بغاوت کی لیکن شکست کھائی اور پہلے بیجانگر کے راجہ کے پاس اور پھر کوکن میں بگلانہ کے جی راجہ کے پاس پناہ لی اور ۹۹۱ھ

میں قطب الدین خاں کو حاکم نذر آباد کے وسیلے سے دربار اکبری میں رسائی ہوئی۔ (صفحہ ۲۱)

☜ احمد نگر کی حکومت کا بانی نظام الملک بحری کا بیٹا احمد نظام شاہ تھا۔ اسی بنا پر یہ حکومت ''نظام شاہی'' کہلائی۔ برہان الملک نظام الملک کا چھوٹا بھائی نہیں بلکہ اس کا پوتا اور احمد نظام شاہ کا بیٹا تھا جو احمد نظام شاہ کی وفات کے بعد سات برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ برہان الملک اور شہنشاہ بابر کا زمانہ ایک ہے۔ تاریخ میں برہان الملک اور بابر کی خط و کتابت کا ذکر ملتا ہے۔

محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے : ''برہان نظام شاہ نے بابر کو اس کی تخت نشینی کی مبارکباد اور اسے دکن آنے کی دعوت دی۔'' (تاریخ فرشتہ حصہ دوم، صفحہ ۲۹۹)

برہان نظام شاہ کے عہد ہی میں بابر کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران برہان نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ جس کی بنا پر عوام نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا اور خلفائے راشدین کی شان میں بے ادبی کرنے لگے۔ آخر کار سلطان محمود گجراتی، میراں مبارک فاروقی، ابراہیم عادل شاہ اور عماد الملک سے یہ عالم نہ دیکھا گیا اور انھوں نے احمد نگر کو فتح کر کے آپس میں تقسیم کر لینے کا فیصلہ کیا۔

متذکرہ بالا بادشاہوں کے ارادے کی برہان نظام شاہ کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے فوراً راستی خاں نامی ایک شخص کو اپنا قاصد بنا کر ہمایوں شہنشاہ دہلی کے پاس روانہ کیا۔ اس قاصد کے ہاتھ ایک عرضداشت بھیجی گئی تھی۔ اس زمانے میں شیر شاہ کی ہنگامہ آرائیوں نے ہمایوں کی تمام تر توجہ کو اسی طرف مرکوز کر رکھا تھا۔ اس لیے درخواست کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور راستی خاں نامراد و ناکام واپس احمد نگر آ گیا۔ (تاریخ فرشتہ، صفحہ ۳۱۶)

ان شواہد سے واضح ہے کہ برہان الملک کا زمانہ بابر اور ہمایوں کا زمانہ تھا۔ اب ملاحظہ فرمائیے شبیر حکیم صاحب کی تاریخ دانی اور غلط بیانی۔ انھوں نے ذکر کیا ہے برہان الملک کا جبکہ اکبر کے دربار میں مرتضٰی نظام شاہ کا بیٹا ''برہان نظام شاہ ثانی'' پہنچا تھا جس نے اپنے باپ سے بغاوت کی تھی اور جس کے تعلق سے مرتضٰی نظام شاہ نے اکبر کو ایک خط بھی لکھا تھا۔ (دیکھیے تاریخ فرشتہ، صفحہ ۳۷۲)

برہان نظام شاہ ثانی مرتضٰی نظام شاہ کا بیٹا تھا۔ مرتضٰی نظام شاہ حسین نظام شاہ کا بیٹا اور حسین نظام شاہ، برہان الملک برہان نظام شاہ اول کا بیٹا تھا اور یہ احمد نظام شاہ کا۔ اس طرح برہان نظام شاہ ثانی برہان نظام شاہ اول کا پڑپوتا تھا۔ شبیر حکیم نے پڑپوتے کو پردادا بنا دیا۔

(۱۱) ۹۹۵ھ میں اکبر بادشاہ نے خاندیش کے حاکم راجہ علی خاں کو حکم دیا کہ وہ برہان الملک کو ساتھ لے کر احمد نگر پر حملہ کرے اور اس کا تخت واپس دلوادے۔(صفحہ۲۲)

☜ خاندیش کے حاکم راجہ علی خاں اور اکبر کے عہد میں بہت فرق ہے۔راجہ علی خاں فیروز شاہ کے زمانے میں تھا اور اسی کی عنایات خسروانہ سے خاندیش کا حاکم بنا۔اس نے بگلانہ کے حاکم بہارجی پر ۷۷۶ھ مطابق ۱۳۷۴ء کو حملہ کیا تھا اور راجہ علی کا انتقال ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء کو ہوا۔ اکبر ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۶ء حکمراں تھا اکبر راجہ علی کے انتقال کے ۱۵۸ برس بعد بادشاہ بنا پھر وہ راجہ علی کو فوج کشی کا حکم کس طرح دے سکتا ہے؟ (تفصیل کے لیے دیکھیے ''تاریخ فرشتہ'' صفحہ ۷۹۸)

اس صورت حال میں شبیر حکیم کا بیان کیا حیثیت رکھتا ہے۔یہاں تک گالنہ (جالنہ)، بگلانہ (باگلان) کے تعلق سے شبیر حکیم کی کتاب ''ماجرائے وطن'' کا تجزیہ پیش کیا گیا اور اب مالیگاؤں کے تعلق سے حضرت کی تاریخی خامیاں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱۲) قلعہ مالیگاؤں : اسے نارو شنکر نامی ایک برہمن سردار نے بنایا۔اس نے اسے ۱۷۴۰ء میں بنوایا۔۔۱۸۲۰ء میں کہا جاتا تھا کہ مالیگاؤں کا قلعہ ۱۷۶۰ء میں تعمیر ہوا۔(صفحہ۴۳)

☜ ایک جگہ حکیم صاحب حتمی رائے دیتے ہیں کہ قلعہ ۱۷۴۰ء میں بنا پھر اس کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ۱۷۶۰ء میں بنا۔آخر یہ تضاد کیوں؟ قلعہ واقعی کب بنا؟

(۱۳) گرانٹ ڈف لکھتا ہے نارو شنکر نے خاندیش میں مالیگاؤں کا مضبوط قلعہ بنوایا۔وہ احمد آباد کے محاصرے (۱۷۵۵ء) سب سے تیز اور چوبند حملہ آور تھا۔اس کی کمان میں عربوں کی ایک بڑی پیدل فوج تھی۔(صفحہ۴۳)

☜ گرانڈ ڈف نے کس کتاب یا مضمون میں ایسا لکھا اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔احمد آباد کے محاصرے (۱۷۵۵ء) میں نارو شنکر شریک نہیں تھا اس وقت وہ پیشوا کی فوج کیساتھ شمالی ہندوستان میں تھا۔۱۷۴۲ء میں اس نے اورچھا فتح کیا۔اسکے بعد جھانسی وغیرہ کے علاقے فتح کیے اور اس طرح ان علاقوں پر وہ ۱۷۴۲ء تا ۱۷۵۶ء صوبیدار رہا۔پھر وہ ۱۷۵۵ء میں احمد آباد کس طرح آیا؟

نارو شنکر کی فوج (یعنی مراٹھا فوج) میں ''عرب سپاہی'' کبھی نہیں رہے۔یہ شبیر حکیم کا ایک مفروضہ ہے جس کی بنیاد شاید اس پر رکھی گئی ہے کہ مالیگاؤں کے قلعہ میں انگریزی حملے کے وقت

عرب سپاہی موجود تھے۔

مراٹھا فوج میں ''گاردی'' شامل تھے جو ابراہیم خان گاردی توپچی کے سپاہی تھے جو افغانی پٹھان تھے اور ان میں کچھ ''چاؤش'' بھی شامل تھے۔نارو شنکر سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

(۱۴) نارو شنکر نے کوکن کے ساحلی علاقوں پر یورش کی تھی۔اس دوران میں بسین کے کسی گرجا گھر سے جو شاید پرتگیزیوں کا تھا ایک بڑا گھنٹہ حاصل کیا اور اسے ناسک کے ایک مندر میں لگوایا اس پر ۱۷۲۱ء کندہ ہے۔(صفحہ۵۹)

☜ نارو شنکر کبھی بھی مراٹھا فوج کا سالار نہیں رہا۔پرتگیزیوں کے مقابلے میں پیشوا نے جو فوج بھیجی تھی اس کا سالار چماجی اپّا تھا۔نارو شنکر سپاہی کی حیثیت سے اس فوج میں شامل رہا ہوگا۔ مذکورہ گھنٹہ چماجی اپانے لایا ہوگا، نارو شنکر نے نہیں۔جس مندر میں یہ گھنٹہ لگایا گیا ہے روایت ہے کہ اس مندر کی تعمیر بھی نارو شنکر نے کروائی ہے مجھے اس میں شبہ ہے۔مندر بہت قدیم ہے اور نارو شنکر کے بہت پہلے کا ہونا چاہیے۔کوئی تحقیق کرے تو حقیقت سامنے آجائے گی۔

(۱۵) انگریزوں کی آمد سے ایک دن قبل قصبے کے حاکم گوپال راؤ راجہ بہادر نے سول کمشنر اور لفٹنٹ کرنل میکڈویل کا بڑا شاہانہ استقبال کیا۔(صفحہ۳۱)

☜ یعنی انگریزی فوج کی آمد سے قبل کمشنر اور کرنل تنہا مالیگاؤں پہنچ گئے تھے اور گوپال راؤ نے ان کا شاہانہ استقبال بھی کیا۔اگر ایسا ہے تو اس کا ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔اسکے علاوہ انگریزوں کے حملے کے وقت گوپال راؤ راجہ تھا اور مجید وحید صاحب لکھتے ہیں کہ ترمبک راؤ راجہ تھا۔صحیح کیا ہے؟

(۱۶) انگریزوں نے اسطرح قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر کر محاصرے کو تنگ سے تنگ کردیا۔یہ طئے ہوا کہ جوں ہی احمد نگر سے نکلی ہوئی ٹرین رسد لیکر آجائے نئے سرے سے قلعہ پر حملہ کیا جاسکے۔(ص۳۶)

☜ انگریزوں نے مالیگاؤں پر ۱۸۱۸ء میں حملہ کیا اور حکیم صاحب ''ٹرین'' سے مالیگاؤں تک رسد پہنچا رہے ہیں جبکہ ہندوستان میں پہلی ٹرین وی ٹی سے تھانہ تک ۱۸۵۳ء میں شروع ہوئی۔ ۱۸۵۳ء سے لے کر آج تک مالیگاؤں ٹرین کی سہولت سے محروم ہے اور شبیر حکیم ۱۸۱۸ء ہی میں احمد نگر سے مالیگاؤں ٹرین لے آئے۔

''تاریخ لکھو ہو کہ کرامات کرو ہو؟''

(۱۷) فرانسیسی سیاح تاوریئیر (۶۶۔۱۶۴۰ء) کے بیان کے مطابق باگلان جس میں وہ ساحلی پرتگیزی علاقہ چھوڑ کر شالی کوکن بھی شامل کرتا ہے۔(صفحہ۲۳)

☞ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ شبیر حکیم نے تاوریئیر، تھیوناٹ اور گرانٹ ڈف کا راست مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ کہیں ادھر اُدھر سے پڑھ پڑھا کر اپنی کتاب کی اہمیت بڑھانے کے خیال سے ان کا نام دیدیا ہے۔ان لوگوں کے بیانات کہاں سے لیے گئے، کن کتابوں یا رسائل سے حاصل کیے گئے اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا۔علاوہ ازیں گرانٹ ڈف کوئی بہت زیادہ معتبر تاریخ نویس نہیں ہے،اسکے یہاں بھی بہت ساری غلطیاں اور خامیاں ہیں۔مزید تفصیلات کیلئے شری گجانن بھاسکر کی کتاب ''شری راجہ شیو چھترپتی'' کھنڈ(۱)، بھاگ(۱) کے صفحہ ۵۲۷ کا ذیلی نوٹ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱۸) ۱۷۹۸ء میں سید محمد ادریس کو راجہ بہادر گوپال راؤ نے زمین عطا کی جہاں انھوں نے مسجد کی تعمیر کی جو بعد میں یٰسین میاں کی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔(صفحہ ۵۷)

☞ مولوی عبدالمجید وحیدؔ نے مسجد کی تعمیر کا سنہ ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۸ء لکھا ہے۔(صفحہ ۱۳) شبیر حکیم نے بھی آنکھ بند کر کے ۱۷۹۸ء لکھ دیا۔ضروری تھا کہ ہجری اور عیسوی سنوات کی تحقیق کر لی جاتی۔ ہجری ۱۲۱۲،عیسوی ۱۷۹۷ کے مطابق ہے اور سید صاحب کا نام ادریس نہیں ''عیدروس'' ہے۔

(۱۹) نارو شنکر بہت عرصے تک جھانسی میں رہا اور اس کے بعد نیم گاؤں، مالیگاؤں میں سکونت اختیار کی۔۱۷۷۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔(صفحہ ۵۹)

☞ شبیر حکیم کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جھانسی کے بعد نارو شنکر نیم گاؤں اور مالیگاؤں میں سکونت پذیر رہا اور ۱۷۷۵ء میں یہیں فوت ہوا۔ جناب نے اپنے اس بیان کی صداقت کے ثبوت میں کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔

میری تحقیق کے مطابق نارو شنکر کبھی مالیگاؤں نہیں آیا، نہ ہی اس نے مالیگاؤں کا قلعہ بنوایا اور نہ ۱۷۷۵ء میں نیم گاؤں یا مالیگاؤں میں اس کا انتقال ہوا بلکہ میرے پاس ۱۷۷۶ء میں نارو شنکر کے حیات ہونے کا ثبوت موجود ہے۔اس پر تفصیلی بحث نارو شنکر کی سوانح میں ملاحظہ فرمائیے۔

''ادبی سویرا''

''ادبی سویرا'' کے عنوان کے تحت شبیر حکیم نے زبردست تعصب کا مظاہرہ کیا ہے۔انھوں نے مولوی محمد یوسف عزیز مرحوم کے تعلق سے لکھا ہے: ''فارسی و عربی کے ایک جیّد عالم محمد یوسف

عزیز تھے۔مالیگاؤں میں شاعری کی داغ بیل ڈالنے اور اپنا ایک اسکول قائم کرنے اور شاگردوں کی ایک طویل فہرست کا سہرا انھیں کے سر جاتا ہے۔ان کے ممتاز شاگردوں میں حضرت مسلمؔ اور سہیلؔ مالیگانوی، شوقؔ و احسنؔ و نصیرؔ، کوثرؔ قمرؔ وغیرہ تھے۔''(صفحہ ۶۰)

شبیر حکیم صاحب نے انھیں شعراء کا ذکر کیا ہے جو ان کے والد خانصاحب عبدالرحیم مرحوم کے سیاسی اکھاڑے سے وابستہ تھے۔مولوی محمد یوسف عزیز مرحوم سے قبل بھی مالیگاؤں میں پچاسوں شعراء تھے جن میں منشی شعبان، دادا میاں عطاؔ، مولانا عبداللہ کاملؔ و بیدلؔ، مولانا محمد اسحٰق مقصودؔ، حکیم احسانؔ، خنداںؔ منشی، عبدالکریم خادمؔ جیسے اساتذہ سخن کا نام سرفہرست ہے۔

منشی نصیرؔ مولوی عزیز کے نہیں حضرت شوقؔ کے شاگرد تھے اور حضرت قمرؔ جناب نوحؔ ناروی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

حکیم صاحب نے ادیب الملک، شاعرِ حیات حضرت ادیبؔ مالیگانوی، مصورِ جذبات حضرت اخترؔ مالیگانوی، سکندرؔ منشی، محمد ابراہیم عارجؔ جیسے اساتذہ سخن کا نام تک لینا گوارہ نہیں کیا۔ ان حضرات میں ادیب الملک حضرت ادیبؔ کی شخصیت سب سے بلند و ممتاز ہے جن کی وجہ سے برصغیر ہندو پاک میں مالیگاؤں پہچانا گیا۔

اس باب میں شبیر حکیم صاحب نے صرف حضرت مسلمؔ کی قصیدہ خوانی کی ہے اور وہ بھی اس انداز میں کہ انھیں نمایاں کرنے کے ساتھ ہی ساتھ انھیں بدنام بھی کر دیا۔

''ماجرائے وطن'' کے دوسرے ایڈیشن میں وہ لکھتے ہیں، ''پرتھوی راج کپور اپنے پرتھوی تھیٹر کے ساتھ آئے۔۔اردو لائبریری مالیگاؤں کی مدد کے لیے جھولی پھیلائی جس کا تعمیراتی کام اس وقت زوروں پر تھا۔پرتھوی راج کپور حضرت مسلمؔ کے اس تعارفی شعر پر پھڑک اٹھے۔

ترے جواہر طرفہ کلہ کو کیا دیکھیں — ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

یہ شعر حضرت مسلمؔ کا نہیں بلکہ حضرت اسداللہ خان غالبؔ دہلوی کا ہے۔شبیر حکیم کی اس اقربا پروری اور تعصب نے حضرت مسلمؔ پر ایک بیجا الزام تھوپ دیا۔

''ماجرائے وطن'' کی یہ اہم غلطیاں تھیں جن کی نشاندہی کی گئی ہے، معمولی معمولی خامیاں تو اور بھی زیادہ ہیں اگر ان تمام کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ''ماجرائے وطن'' سے زیادہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے

گی۔ غرض یہ کہ ''ماجرائے وطن'' غلطیوں اور خامیوں کا پلندہ ہے اور تاریخ نویسی اور تاریخ کے نام پر ایک بدنما داغ ہے۔ اگر شبیر حکیم یہ کتاب نہ لکھتے تو مالیگاؤں اور تاریخ نویسی دونوں پر احسان کرتے۔

''نقوش''

حفیظ مالیگانوی مرحوم نے ۱۹۷۹ء میں شعرائے مالیگاؤں کا تذکرہ ''نقوش'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ انھوں نے ابتدائی اوراق میں مالیگاؤں کی تاریخ بھی بیان کی ہے جو مولوی عبدالمجید وحید کی کتاب ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' سے مستعار ہے اس لیے اس میں بھی وہی غلطیاں ہیں جو مولوی مجید وحید صاحب کی کتاب میں ہیں۔

''نقوش'' کا ذکر تاریخ کے تعلق سے غیر ضروری تھا لیکن اس میں حفیظ صاحب نے ایک ایسی بے تکی چیز شائع کر دی ہے جس کا ازالہ از حد ضروری ہے۔

حفیظ صاحب نے مرزا عکاس کائناتی (مرحوم حمید اختر) کے حوالے سے بڑے فخر یہ انداز میں لکھا ہے ''مرزا غالب مالیگاؤں میں''

ستم بالائے ستم ڈاکٹر مومن محی الدین (بھیونڈی) نے بھی ''نقوش'' کے حوالے سے اپنی کتاب ''مومن بنکر برادری کی تہذیبی تاریخ'' میں بھی یہی چیز شائع کر دی کہ ''غالب مالیگاؤں آئے تھے۔''

حفیظ مرحوم نہ تاریخ نویس تھے اور نہ محقق! لیکن تعجب اس پر ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری (وہ بھی انگلستانی) رکھنے والے مومن محی الدین صاحب کی معلومات بھی غالب کے متعلق اس قدر ناقص ہیں، انھیں غالب کے حالات سے اتنی بھی واقفیت نہیں کہ ''غالب نے کبھی دکن کا سفر نہیں کیا۔'' حمید اختر، حفیظ مالیگانوی اور ڈاکٹر مومن کی عبارات کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے۔

''۲۱ نومبر ۱۸۲۹ء کے بعد مرزا غالب اپنی پینشن کی واگذاری کے لیے گورنر بہادر سے ملنے دکن آئے۔ اس وقت گورنر چاندوڑ (مالیگاؤں سے قریب ایک گاؤں) میں تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ اس لیے چاندوڑ جانے کی بجائے رات میں مرزا صاحب نے مالیگاؤں کی جامع مسجد کے مہمان خانے میں قیام کیا۔ مسجد کے مہمان خانے کے رجسٹر میں ان کا نام ''سادل خاں آسد دلی نواسی'' درج ہے۔ مرزا صاحب کا قیام مالیگاؤں میں ۲۱ روز رہا۔''

اوّل تو مرزا غالب نے کبھی دکن کا سفر نہیں کیا۔ اگر وہ دہلی سے نکلے ہیں تو صرف رامپور اور کلکتہ

تک گئے ہیں۔ کلکتہ کا قصہ تو بڑا مشہور ہے۔ دہلی سے کلکتہ کے درمیان وہ الہ آباد اور بنارس میں ٹھہرے۔ بنارس اور الہ آباد کے قیام کی یادگار ان کی فارسی مثنوی ''چراغ دیر'' ہے۔ دہلی اور کلکتہ کے بیچ ''مالیگاؤں'' کیا ''دکن'' بھی نہیں آتا۔ حمید اختر نے بڑی ہوشیاری سے مرزا کا نام اسد اللہ خان غالب کی بجائے سادل خان آسد (دلّی نواسی) دیا ہے تاکہ کوئی گرفت کرے تو با آسانی گلوخلاصی ہو سکے۔

دیگر یہ کہ مالیگاؤں کی جامع مسجد کی بنیاد ۱۸۵۴/۵۵ء (۱۲۷۱ھ) میں پڑی۔ اس کی تفصیل مولوی مجید وحید نے اپنی کتاب ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' میں پیش کی ہے۔

جامع مسجد کی جگہ ''خیراتی تمبولی'' نے خریدی اور اس پر ایک چھپر ڈال کر نیچے ریت بچھا دی گئی اور چند لوگ وہاں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں عبدالسلام فوجدار نے اس کا پختہ پایہ بھروایا اور اذان خانہ وغیرہ تعمیر کروایا۔ اس کے بعد ۱۸۸۵ء میں شہر کے کچھ مقتدر حضرات نے کوشش کر کے اس کی پختہ عمارت تعمیر کروائی لیکن اس میں مہمان خانہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

غالب کا انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ وہ ۱۸۸۵ء میں جامع مسجد کی پختہ عمارت میں کس طرح ٹھہر سکتے تھے؟ پھر غالب ۱۸۲۹ء کے نومبر دسمبر میں مالیگاؤں آئے تو اس وقت جامع مسجد کا نام و نشان تک نہ تھا۔

مرحوم حمید اختر نے غالب صدی کے موقع پر ہفت روزہ ''عوامی آواز'' اپریل ۶۹ء میں یہ شوشہ چھوڑا تھا جسے بشیر ادیب، حفیظ مالیگانوی اور ڈاکٹر مومن محی الدین نے سچ سمجھ لیا اور اسے اپنی کتابوں میں بڑے فخر کے ساتھ شائع بھی کیا۔ انھوں نے یہ تک نہ سوچا کہ غالب شناس ان پر ہنسیں گے۔

اس کی تردید اس لیے بھی ضروری تھی کہ کہیں یہ روایت جڑ نہ پکڑ لے اور آئندہ کوئی مورخ یہ نہ لکھ دے کہ ''غالب کے ساتھ بہادر شاہ ظفر بھی ان کی سفارش کے لیے مالیگاؤں آئے تھے اور راجہ نارو شنکر کے قلعے کے رنگ محل میں ایک عظیم الشان مشاعرہ بھی منعقد ہوا تھا جس کی صدارت حضرت مسلم مالیگانوی نے کی تھی۔''

''مالیگاؤں: ایک شہر ایک جہاں''

عبدالحلیم صدیقی نوجوان صحافی ہیں۔ انھوں نے ''مالیگاؤں: ایک شہر ایک جہاں'' کے نام سے ایک کتاب نومبر ۲۰۰۰ء میں شائع کی جس میں مالیگاؤں کے تقریباً تمام شعبہ جات سے

متعلق معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔

مالیگاؤں کی تاریخ کے تعلق سے بھی انھوں نے کئی باتیں تحریر کی ہیں جن کے ذکر اور تصحیح ووضاحت پر اکتفا کرتا ہوں۔

''۱۷۹۸ء میں مسلمانوں کے لیے راجہ نارو شنکر نے قطعہ اراضی دی جس پر پہلی مسجد (شاہی مسجد) تعمیر ہوئی۔ ۱۸۰۰ء راجہ ہی کی وقف کردہ زمین پر سرائے اور مسجد غربیہ تعمیر ہوئی۔'' (صفحہ ۱۳)

''۱۷۹۷ء میں ایک عرب سید محمد ادریس کو راجہ گوپال راؤ نے انعام میں زمین عطا کی تھی جہاں انھوں نے شاہی مسجد تعمیر کروائی جو بعد میں یٰسین میاں کی مسجد وقبرستان کے نام سے مشہور ہوئی۔'' (صفحہ ۱۶)

حلیم صدیقی صاحب کے بیانات ملاحظہ فرمایئے، ۱۷۹۸ء میں راجہ نارو شنکر نے شاہی مسجد اور ۱۸۰۰ء میں غربیہ کی مسجد کے لیے زمین دی۔ دوسرے بیان میں یہی زمینیں راجہ گوپال راؤ نے ۱۷۹۸ء میں دیں۔ یعنی ایک ہی وقت میں مالیگاؤں پر دو راجہ حکومت کرتے تھے؟ دیگر یہ کہ راجہ نارو شنکر ۱۷۸۰ء سے قبل (اور بقول مولوی مجید وحید اور شبیر حکیم) نارو شنکر ۱۷۷۵ء میں فوت ہوا تو پھر اس نے مسجد کی زمین ۱۷۹۸ء میں کس طرح عطا کی؟

ایسے ہی غیر مستند، الجھے ہوئے اور غیر ذمہ دارانہ بیانات تاریخ کو بھی الجھا دیتے ہیں۔ مصنف ومولف تو لکھ جاتے ہیں لیکن ان غلط روایات کی درستگی اور تصحیح میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ اس کے باوجود جن لوگوں تک اصل تاریخ نہیں پہنچتی وہ انھیں غلط روایات کو حقیقت سمجھتے ہیں۔

کم از کم تاریخ نویسی کے تعلق سے تو ذمہ دارانہ اور منصفانہ رویہ اپنانا چاہیے اور اگر اس موضوع پر قدرت نہیں ہے تو کیا ضروری ہے کہ اس پر قلم اٹھا کر تاریخ کو مسخ کیا جائے اور لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کیا جائے؟

''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری''

''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری'' الیاس صدیقی صاحب کا ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا گیا مقالہ ہے جسے انھوں نے راقم کی نگرانی میں تحریر کیا ہے جس پر پونے یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری تفویض کی ہے۔

Research کو بعض حضرات صرف تحقیق کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جبکہ میری نگاہ میں ریسرچ تحقیق کے علاوہ ''بازیافت'' یا ''تلاش'' کے معنوں میں بھی استعمال ہونا چاہیے۔ بہت سارے سند یافتہ ڈاکٹروں بشمول الیاس صدیقی کے یہاں تحقیق کم اور تلاش یا بازیافت کے عناصر زیادہ نظر آتے ہیں۔

تحقیق ایک تجزیاتی عمل ہے جس کے ذریعے اصل حقیقت تک پہنچا جاتا ہے۔ روایات کی توسیع اشاعت کا نام تحقیق نہیں ہے بلکہ ثبوت وشواہد اور دلائل وبراہین کی روشنی میں روایات کا تجزیہ کر کے اصل حقائق کی نقاب کشائی تحقیق کہلاتی ہے۔

مالیگاؤں میں نثر نگاری میں محترم ڈاکٹر عصمت جاوید صاحب نے تحریر فرمایا ہے :

''ڈاکٹر الیاس صدیقی خوش نصیب ہیں کہ انھیں ڈاکٹر اشفاق انجم جیسا خضر راہ میسر آیا ورنہ کبھی کبھی ذہین طالب علم بھی اپنی آگ میں جل کر خاک ہو جاتا ہے۔'' (صفحہ ۱۹)

محترم عصمت جاوید صاحب نے بڑی سچی بات کہی ہے، میں نے پوری دیانت کے ساتھ صدیقی صاحب سے تعاون کیا لیکن افسوس ہے میری بعض ہدایات کو انھوں نے نظر انداز کر دیا، وہ خاک تو نہیں ہوئے لیکن اپنی انگلیاں ضرور جلا بیٹھے۔ مثلاً میں نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ ''نارو شنکر آپ کے موضوع سے متعلق نہیں ہے، اسے نظر انداز کر دیجئے۔'' لیکن انھوں نے میرے مشورے کو نظر انداز کر دیا اور نارو شنکر اور مالیگاؤں کے تعلق سے وہی غلط اور بے بنیاد روایات پیش کر دیں جنھیں میں قبل ہی کئی مضامین کے ذریعے رد کر چکا ہوں۔ مثلاً

(۱) الیاس صدیقی نے نارو شنکر کی سوانح کے تعلق سے عبدالمجید وحید اور شبیر حکیم کے حوالے سے وہی سب غلط باتیں دہرائی ہیں جن کی تردید گذشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

(۲) صدیقی لکھتے ہیں ''پیشوا نے نارو شنکر کو راجہ کا خطاب دے کر جھانسی کا صوبے دار بنا دیا'' (ص ۳۸)

''بھاؤ صاحب نے دلی پر قبضہ کر لیا اور نارو شنکر کو راجہ بہادر کا خطاب دے کر قلعہ، شہر اور خزانے کی ذمہ داری سونپ دی۔ (صفحہ ۳۹)

☞ صدیقی صاحب نے ان دونوں خطابات کی سند میں کوئی ثبوت نہیں پیش کیا۔ صرف ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ انھیں چاہیے تھا کہ خود بھی ان کی تحقیق کر لیتے۔ صرف کسی مضمون کا حوالہ

دے دینا کافی نہیں ہوتا جبکہ موضوع متنازعہ بھی ہو۔

(۳) صدیقی لکھتے ہیں ''ناروشنکر کا انتقال ۱۷۷۵ء میں ہوا۔'' اس کی بھی کوئی سند یا ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔

(۴) کہتے ہیں ناروشنکر کو نانا صاحب پیشوا نے مالیگاؤں سے قریب نمبائتی (نمبایت) اور آس پاس کا علاقہ بطور جاگیر دیا تھا۔ (صفحہ ۳۹)

☜ شبیر حکیم کی طرح صدیقی صاحب نے بھی صرف ''کہتے ہیں'' کہہ کر فرصت پالی جبکہ ضروری تھا کہ اس کا ثبوت پیش کرتے۔

(۵) مغل بادشاہ عزیز الدین عالمگیر ثانی (۱۷۵۹ء۔۱۷۵۴ء) نے ناسک، شاہ پور اور مالیگاؤں وغیرہ آٹھ گاؤں انعام کے طور پر دیے تھے۔ (صفحہ ۳۹)

☜ قطعی غلط ہے۔ اس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ علاوہ ازیں صدیقی نے جو سنوات درج کیے ہیں ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ عالمگیر ثانی کی پیدائش اور وفات کے سنوات ہیں یا اس کی تخت نشینی اور معزولی کے۔

(۶) کہتے ہیں ناروشنکر نے ۱۷۶۵ء میں مالیگاؤں میں ایک زمینی قلعہ بنوایا۔ (صفحہ ۳۹)

☜ یہاں بھی وہی ''کہتے ہیں''۔ اگر لوگ یہ کہیں کہ تاج محل ناروشنکر نے بنوایا ہے تو غالباً صدیقی یقین کرلیں گے۔

(۷) اہلیہ بائی ہولکر (۱۷۹۵ء، ۱۷۶۵ء) مالوے کی رانی تھی۔ اسکی حکمرانی اندور، اجین سے لیکر چاندوڑ تک تھی۔ اہلیہ بائی کو یکے بعد دیگرے اپنے شوہر کھنڈے راؤ، اپنے اکلوتے بیٹے مالے راؤ اور خسر ملہار راؤ کی موت کے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ مالیگاؤں یہ نام ہولکر کے دور سے ملتا ہے اسلئے قرین قیاس ہیکہ مالیگاؤں کا نام رانی نے اپنے اکلوتے بیٹے مالے راؤ کے نام پر رکھا ہوگا۔ (صفحہ ۳۵)

☜ صدیقی صاحب نے یہ بات شبیر حکیم کے حوالے سے لکھی ہے اور ان دونوں ہی ''محققین'' نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی کہ مالیگاؤں جب ناروشنکر کو ۱۷۵۷ء میں بطور جاگیر مل چکا تھا تو پھر ۱۷۶۵ء میں اہلیہ دیوی کی حکمرانی مالیگاؤں پر کس طرح ہوسکتی ہے۔ اور ناروشنکر کی راجدھانی کو اہلیہ دیوی اپنے بیٹے کا نام کیوں کردے سکتی ہے۔

موسم ندی پر سب سے پہلا لکڑی کا پل اہلیہ بائی ہولکر نے بنوایا۔ یہ مالیگاؤں کی تاریخ کا ایک اہم ترین ثبوت ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر اہلیہ بائی نے پل بنوایا ہے تو یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ''مالیگاؤں راجہ ناروشنکر کی جاگیر میں نہیں تھا بلکہ یہ اہلیہ دیوی کی مملکت میں شامل تھا۔ ورنہ یہ پل اہلیہ دیوی کی بجائے ناروشنکر بنواتا۔''

اس امر سے میرے اس دعوے کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ مالیگاؤں راجہ ناروشنکر دانی کی جاگیر نہیں بلکہ ناروشنکر پرتی ندھی کی صوبیداری میں تھا جس پر ہولکر خاندان کی حکمرانی تھی۔

(۸) صدیقی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے (تاریخ شہر مالیگاؤں)۔ ۶۴ صفحات کی یہ کتاب ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں شمس المطابع لکھنو میں طبع ہوئی۔

☜ صدیقی صاحب کا یہ بیان بھی سراسر غلط ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں طبع ہوئی۔ ثبوت کیلئے کتاب کے مقدمے کا پہلا صفحہ پیش کیا جاچکا ہے۔

(۹) عالمگیر ثانی کا فرمان ہے جو اندازاً ۱۷۵۷ء کا ہے۔ اسمیں مالیگاؤں لکھا ہوا ہے۔ (صفحہ ۳۵)

☜ صدیقی صاحب کے اس بیان پر حیرت ہوتی ہے عالمگیر ثانی کے فرمان کی نقل انکے پاس بھی محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' (مولوی عبدالمجید وحید) اور ''مالیگاؤں کی تاریخ کے بکھرے اوراق'' (بشیر ادیب) میں بھی یہ فرمان موجود ہے جس میں ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۲ء درج ہے۔ از روئے تحقیق و تاریخ نویسی صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہاں تک مناسب ہے کہ یہ فرمان اندازاً ۱۷۵۷ء کا ہے۔

باب دوّم

مالیگاؤں: ایک قدیم ترین بستی

مالیگاؤں کے تعلق سے مراٹھی اور اردو میں جس قدر تاریخیں شائع ہوئی ہیں سبھوں میں یہی کہا گیا ہے کہ ’’مالیگاؤں نارو شنکر نے بسایا، اس سے قبل یہاں آبادی کا نام ونشان تک نہ تھا۔‘‘ یہ تمام مفروضہ اور غیر مستند باتیں ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

مالیگاؤں ایک قدم ترین بستی ہے، اس کا سب سے اہم مستند ثبوت تانبے کی وہ تختیاں ہیں جو شہر کے قریبی دیہات ’’وزیر کھیڑے‘‘ میں ایک کسان کو ہل چلاتے ہوئے اس کے کھیت میں دستیاب ہوئی تھیں۔ یہ تختیاں راشٹر کُٹ خاندان کے ایک راجہ کے فرمان پر مبنی ہیں جس نے قریب کے ایک علاقے چندن پوری (جو کہ اس عہد میں جین دھرم کی ایک اہم ترین تیرتھ گاہ تھی) کو بطور انعام و جاگیر اطراف کے علاقے اور زمینیں دی تھیں، ان علاقوں کا تفصیلی تذکرہ اس فرمان میں موجود ہے جس میں مالیگاؤں (مالی گرام ۔ ماہلی) کے نام سے مذکور ہوا ہے۔ یہ فرمان ۹۱۴/۱۵ء کا ہے جس کی رو سے مالیگاؤں تقریباً گیارہ سو سالہ قدیم بستی ہے۔ اسے نارو شنکر سے منسوب کرنا غلط ہے۔ تانبے کی تختیوں کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

وزیر کھیڑے میں دستیاب تانبے کی تختیاں

۱۹۶۶ء میں وزیر کھیڑے نامی دیہات میں ایک کسان نارائن موتی رام مالی کو ہل چلاتے وقت کھیت میں کچھ تانبے کی تختیاں دستیاب ہوئیں اسے ان کی اہمیت کا علم واحساس نہ تھا۔ اس کا تذکرہ شدہ شدہ مشہور بیوپاری نندلال کاسلی وال صاحب تک پہنچا۔ وہ بہ نفس نفیس وزیر کھیڑے گئے اور اس کسان سے وہ تختیاں لے آئے۔ انھوں نے انھیں پڑھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ اس کی زبان اور طرز تحریر نہایت قدیم ہے۔ انھوں نے ناسک جا کر ان تختیوں کی فوٹو کاپی بنوائی پھر کاکانی ہائی اسکول کے سابق صدر مدرس جناب رہاڑ کر صاحب کو دکھلائی۔ انھوں نے بڑی محنت سے ان تختیوں کی تحریر کا مراٹھی زبان میں ترجمہ کیا جس کی تفصیلات اخبار میں شائع کر دی گئیں۔ آثار قدیمہ والوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے یہ تختیاں اپنے قبضے میں کر لیں۔

نند لال کاسلی وال صاحب نے ان تختیوں کی فوٹو کاپی جین دھرم کے ترجمان ’’جین سندیس‘‘ کو بھجوادی جس پر ڈاکٹر جیوتی پرساد جین لکھنوٴ نے ایک تفصیلی مضمون لکھا جو رسالہ

مذکور کی فروری ۶۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اس کے علاوہ ان تختیوں کی روشنی میں مشہور تاریخ داں ڈاکٹر کولتے کا ایک مضمون ''سنمتی'' دسمبر ۱۹۶۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

ان کے علاوہ اسی تناظر میں جناب رہاڑکر اور پروفیسر پاری پتیدار صاحب کا ایک مضمون ایم ایس جی کالج کے سالانہ میگزین ''کلاوہار'' میں بھی شائع ہوا جس کا اردو ترجمہ جناب شیخ فیروز نے کیا جو مالیگاؤں کی تاریخ کے بکھرے اوراق میں شامل ہے۔ یہی مضمون مراٹھی روزنامہ ''لوک مت'' کے ۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

ان تمام مضامین کی روشنی میں ''تانبے کی تختیوں'' کی مشمولات کے اہم نکات پیش خدمت ہیں۔

تانبے کی تختیاں (کوائف) : یہ تین تین پتروں کی دو جوڑیاں ہیں جو تانبے کی ایک موٹی زنجیر سے بندھی ہوئی ہیں۔ ہر ایک تختی "۵۔"۹×"۱۴ کی لمبائی اور چوڑائی رکھتی ہے۔ ہر پترا ۵۱ء۵ سینٹی میٹر موٹائی رکھتا ہے۔ ہر پترے کے بائیں جانب درمیانی حصے میں ایک انچ کا سوراخ ہے جس میں تانبے کی زنجیر لگی ہوئی ہے اور اسی جگہ انگوٹھی کی طرح "۹ء۳×۱ء"۲ سائز کی شاہی مہر ہے جس میں بائیں جانب گنپتی اور دائیں جانب کے اوپری حصے میں شیر پر سوار دیوی (کالی) اور درمیانی حصے میں ان کے خاص دیوتا (مکھیہ دیوت) کی ابھری ہوئی شبیہہ ہے، اس کے نیچے راجہ کا نام کندہ ہے لیکن یہ غیر واضح ہے۔ شاہی مہر کے ساتھ سواستک کا نشان اور مختلف ہتھیاروں کی تصاویر کھدی ہیں۔ ہر تختی کی ایک ہی جانب سطریں کندہ ہیں صرف درمیانی تختی کی دونوں جانب عبارتیں کھدی ہیں۔ ایک تختی پر ۶۸ سطریں ہیں۔

تانبے کی ان تختیوں کی تحریر کا زمانہ شکے ۸۱۶ یعنی عیسوی ۹۱۴ء ہے۔ اس طرح یہ تختیاں ۱۰۸۸ سال قدیم ہیں۔

ان تختیوں پر راشٹر کٹ خاندان کے راجہ '' نتیہ ورش دیو'' کی تخت نشینی اور اس موقع پر جاگیریں اور انعامات عطا کرنے کی تفصیلات درج ہیں۔ تختیوں کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راجہ جین دھرم کا ماننے والا تھا۔

تختیوں کی عبارت کا خلاصہ : مالیگاؤں سے قریبی دیہات چندن پوری اب سے ہزار سال پہلے ایک بہت بڑا جین تیرتھ استھان تھا جہاں بڑے بڑے رشی منی رہتے تھے۔ راشٹر کٹ خاندان کے راجہ نے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں اس تیرتھ استھان کے منادر کو ایک بہت بڑی جاگیر عطا کی جس کی تفصیل طویل ہوگی۔ یہاں صرف ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس تحریر میں درج ہیں۔

چندن پوری کو مرکز مان کر تمام علاقوں کا سمتوں کے ذریعے تعین کیا گیا۔ ان میں گری پرنا ندی (موجودہ گرنا ندی)، موکشی ندی (موجودہ موسم ندی) کے ساتھ ماہلی گرام (مالیگاؤں)، نیل گرام (نلگوان) رودیان (رونجھانے)، وٹ نیر (وڈنیر) اور پنپل ود (پنپل گاؤں) کا ذکر ہے۔

اس بات کو خاص طور پر ذہن میں رکھیے کہ مالیگاؤں کا قدیم ترین نام ''ماہلی گرام'' تھا جو آگے چل کر ''ماہلی، ماہولی'' ہوگیا اور ایک عرصے بعد یہ مالی گرام پھر ملے گام اور مالے گاؤں تک پہنچا۔

ان تختیوں کی عبارتوں سے یہ تو صاف ہوگیا کہ مالیگاؤں ایک قدیم ترین بستی ہے جو راشٹر کٹ خاندان کے عہد میں بھی موجود تھی اور خدا جانے اس سے قبل کب سے تھی! ممکن ہے آئندہ کوئی اور بھی شہادت اس تعلق سے دستیاب ہو جائے۔ بہر حال یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ ''مالیگاؤں کو نارو شنکر نے بسایا۔''

بابِ سوّم

قلعۂ مالیگاؤں

محل وقوع: مالیگاؤں ریاست مہاراشٹر کا ایک اہم ترین شہر ہے جو اپنی پارچہ بافی کی صنعت کی بنا پر شہرت رکھتا ہے۔ یہ شہر ۳۲ء۲۰ درجہ عرض البلد اور ۳۵ء۴۷ درجہ طول البدل پر واقع ہے۔ ممبئ آگرہ روڈ کی دونوں جانب ممبئ سے شمال مشرق ۲۸۰ کلومیٹر، منماڑ سے ۴۸ کلومیٹر اور دھولیہ سے ۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر آباد ہے۔

قلعہ : مالیگاؤں کا قلعہ مہاراشٹر کے اہم ترین زمینی قلعوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ مراٹھی کی اس مثل سے بخوبی ہوسکتا ہے ''مالیگاؤں چاِ کلاّ، خاندیش چی ِکلّی''، ''مالیگاؤں کا قلعہ خاندیش کی کنجی'' اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مالیگاؤں مغرب کی جانب ممبئ، احمد نگر، بیجاپور سے آنے والی فوجوں کے لیے داخلی دروازہ تھا جہاں سے برہانپور، دولت آباد اور گجرات جانیکے راستے موجود تھے۔ مختلف زمانوں میں یہ شہر مختلف حکومتوں کے زیرِ نگیں رہا۔ بہمنی حکمراں، نظام شاہی حکمراں، عادل شاہی حکمراں، مغل حکمراں اور انگریزوں نے اسکے قلعے پر اپنے پرچم لہرائے۔ انگریزوں کے زمانے میں یہ شہر ضلع دھولیہ میں شامل تھا اور مالیگاؤں دھولیہ کے نام سے جانا جاتا تھا اور خاندیش کا ایک اہم شہر تھا۔ ضلعوں کی نئ تشکیل کے بعد یہ ضلع ناسک میں شامل کر دیا گیا۔

محل وقوع: مالیگاؤں کا قلعہ موسم اور گرنا ندیوں کے سنگم کے شمال میں کچھ فاصلے پر واقع ہے۔

طرزِ تعمیر : اس قلعے کا طرزِ تعمیر خصوصیت سے توجہ کا طالب ہے۔ قلعہ میں دیواروں پر کنگورے اور برجوں پر گنبدوں کی تعمیر ذہن مین رکھیے جو میرے اس دعوے میں معاون ہوں گے کہ یہ قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل کسی بھی عمارت میں گنبد کا استعمال نظر نہیں آتا۔ مسلمان جب ہندوستان آئے تو اُن کیساتھ ایرانی فنِ تعمیر کے ماہرین بھی آئے۔ ہندوستان کو ''گنبد'' عطا کرنے والے یہی ایرانی فنکار تھے اور جب ہندوستانی اور ایرانی معماروں کا فن ایک دوسرے میں مدغم ہوا تو ایک نیا طرزِ تعمیر وجود میں آیا جو ہند ایرانی طرزِ تعمیر اور اس کی تہذیب ''ہند ایرانی کلچر'' کہلائی۔

مہاراشٹر میں مسلمانوں کی آمد سے قبل جتنی بھی عمارتیں اور قلعے تعمیر ہوئے ان میں کہیں بھی گنبد اور چھتری کا استعمال نظر نہیں آتا۔ منادر وغیرہ مخروطی نظر آتے ہیں۔ مالیگاؤں کے قلعے میں گنبدوں اور کنگوروں کی تعمیر اسے ہند ایرانی طرزِ تعمیر کا نمونہ ظاہر کرتی ہے۔ یہ قلعہ ۱۶۳۶ء میں

موجود تھا جب مہابت خان نے دولت آباد پر شاہجہاں کے حکم سے فوج کشی کی تھی۔ اس وقت مالیگاؤں پر نظام شاہی حکمرانی تھی۔

دیگر یہ کہ مالیگاؤں کے زمینی قلعے کے تین طرف خندق کھدی ہوئی ہے اور مغربی سمت موسم ندی ہے جس کے پانی سے یہ خندقیں ہمیشہ لبریز رہا کرتی تھیں۔ ''خندق'' ایران کا ایک تحفظاتی نظام تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ غزوۂ خندق کے وقت مدینہ شریف کے اطراف خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔ اس سے قبل اہل عرب ''خندق'' کے نام اور وجود سے بے خبر تھے اور یہیں سے خندق کا رواج مسلمانوں میں عام ہوا۔

مالیگاؤں کے قلعے کے اطراف خندق کے وجود کا ہونا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ کسی مسلم حکمراں کا کارنامہ ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں تعمیر شدہ قلعوں کے اطراف خندقیں نہیں ملتیں۔

مالیگاؤں کے زمینی قلعے کو اکثر مؤرخین نے نارو شنکر کی تعمیر بتایا ہے جو سراسر غلط ہے۔ نارو شنکر کبھی مالیگاؤں آیا ہی نہیں تو وہ قلعہ کس طرح بنائے گا؟

ہمارے مؤرخین اگر صحیح خطوط پر کام کرتے تو یقیناً قلعہ کی اصلیت تک پہنچ جاتے لیکن ان کی تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ''مالیگاؤں'' تھا یعنی تمام مورخین تاریخ میں مالیگاؤں تلاش کرتے رہے جو انھیں انیسویں صدی میں نظر آیا اور یہ حضرات اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

۱۹۶۶ء میں وزیرکھیڑے میں دستیاب شدہ تانبے کی تختیوں کا ذکر گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے جس میں مالیگاؤں کا قدیم نام ''ماہلی'' درج ہے۔ اگر مورخین ماہلی تلاش کرتے تو میری طرح انھیں بھی اس دعوے میں باق نہ ہوتا کہ ''مالیگاؤں کی بستی راجہ نارو شنکر نے نہیں بسائی اور نہ ہی قلعہ راجہ نے بنوایا۔''

ماہلی : مہاراشٹر کی تاریخ میں ''ماہلی'' نام کے تین شہر ملتے ہیں۔ (۱) مالیگاؤں: جو عہد قدیم میں ماہولی کہلاتا تھا۔ تانبے کی تختیوں میں بھی ماہولی ہے۔ بہمنی سلطنت اور پھر نظام شاہی عہد میں بھی یہ ماہولی کے نام سے مشہور تھا یہ پرگنہ تھا اور موضع ''نباتی یا نمباتی'' میں شامل تھا۔

(۲) بھیونڈی اور شاہ پور کے قریب ضلع تھانہ میں ایک پہاڑی قلعہ ہے جو ماہلی کہلاتا ہے۔

(۳) ضلع ستارا میں ماہلی نام کا ایک شہر ہے جو ہندوؤں کی تیرتھ گاہ ہے لیکن یہاں کوئی قلعہ نہیں

ہے اس لیے یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔

اب رہ گئے دو ماہلی ایک مالیگاؤں جس کا قلعہ زمینی ہے جو خاندیش کا حصہ تھا اور دوسرا ماہلی ضلع تھانہ کا جو پہاڑی قلعہ ہے اور کوکن کے علاقے میں شمار ہوتا ہے۔

''ماہلی'' (مالیگاؤں) اورنگ آباد، دولت آباد، گالنہ، دھولیہ، چاندوڑ، ترمبک، ناسک، منماڑ، باگلان جیسے اہم تاریخی شہروں کے درمیان واقع ہے۔ ایک زمانے میں بہمنی اور خلجی حکومتیں اپنے عروج پر تھیں۔ محمود خلجی، محمود گجراتی اور نظام شاہی کے درمیان کئی مرتبہ (دکن) دولت آباد کیلئے جنگیں بھی ہوئیں۔ دولت آباد جسکے قبضے میں ہوتا 'ماہلی' (مالیگاؤں) پر بھی اسی کی حکمرانی ہوتی تھی۔

بہمنی، فاروقی، خلجی اور نظام شاہی حکومتوں کی معرکہ آرائیوں کا ذکر تاریخ فرشتہ میں موجود ہے اور دکن کا اہم ترین مرکز دولت آباد تھا۔

ضلع تھانہ میں واقع ''ماہلی'' پہاڑی قلعہ ہے جو بہمنی عادل شاہی، نظام شاہی اور بعد میں مراٹھا سلطنت کا ایک اہم قلعہ بنا۔

ایک بات اور ذہن میں رکھیے کہ دولت آباد سے ماہلی (مالیگاؤں) ۹۵ کلومیٹر پر ہے اور ماہلی ضلع تھانہ دولت آباد سے کم و بیش ۲۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس لیے دولت آباد کے ساتھ تاریخ میں جہاں بھی ''ماہلی'' نام آتا ہے وہ یہی مالیگاؤں یعنی ماہلی ہے۔

ماہلی (مالیگاؤں) کا تاریخ میں تذکرہ : ''ماہلی'' (مالیگاؤں) کا تذکرہ سب سے پہلے ''برہان مآثر'' (فارسی) میں ملتا ہے۔ برہان مآثر مولفہ سید علی طباطبا، احمد نگر کی نظام شاہی کی مکمل اور مستند تاریخ ہے۔ سید علی طبا، حسین نظام شاہ اور مرتضیٰ نظام شاہ کے عہد میں احمد نگر میں موجود تھا۔

''برہان مآثر'' کو مجلس مخطوطاتِ فارسیہ، حیدرآباد (دکن) نے یکم دسمبر ۱۹۳۶ء میں شائع کیا جو بڑی تقطیع کے ۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

''برہان مآثر'' کا انگریزی ترجمہ سرولسلے ہیگ نے کیا اور اسی انگریزی ترجمے کی بنیاد پر ڈاکٹر بھگوان کنٹے نے اس کا مراٹھی ترجمہ ''احمد نگر چی نظام شاہی'' کے نام سے شائع کیا۔

''برہان مآثر'' میں ماہولی (مالیگاؤں) کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔

''ظاہر قلعہ ماہولی را مضرب خیام سعادت فرجام ساخت۔ دلیران بہرام انتقام حسب الفرمان

شہریار، سپہر اقتدار کمر و بازوئے جہاد و اجتہاد بستہ و کشادہ روی شجاعت بہ تسخیر آں قلعۂ گردوں نظیر نہادندو بیک حملۂ قیامت نہیب صبر وشکیب اہل حصار را غارت نمودہ آں قلعہ نیز مثل سائر قلاع مسخر اولیاء دولت روز افزوں گردید۔۔۔ از آں قلعہ غنیمت بسیار و نفائس بیشمار بدستِ تسلط و اقتدار در آوردہ۔ (صفحہ ۱۸۴)

''سلطان احمد بحری (احمد نظام شاہ) نے قلعہ ماہلی پر حملہ کیا۔ اسے تسخیر کر لیا اور اسے یہاں سے بے شمار مال واسباب اور دولت حاصل ہوئی۔''

سید علی طبا نے برہان مآثر میں برہان نظام شاہ کے قبضے میں موجود قلعوں کی تفصیل پیش کی ہے جس کے مطابق درج ذیل قلعے برہان نظام کے قبضے میں تھے۔

''قلعہ رولہ چولہ، قلعہ کانچتان، قلعہ کاترہ، قلعہ انکی، قلعہ کوندہانہ، قلعہ پرندھر، قلعہ روہیرہ، قلعہ کھیردرگ، قلعہ النگ کرنگ، قلعہ رامسیج، قلعہ اوندھایتا، قلعہ مارکندا، قلعہ کوہیچ، قلعہ بولہ، قلعہ ماہولی، قلعہ ترمبک، قلعہ انجیر، قلعہ بھورپ، قلعہ کرکرہ، قلعہ ہریس، قلعہ جیودھن، قلعہ انتور، قلعہ کالنہ، قلعہ چاندیر، قلعہ راج دھیر، قلعہ پالی، قلعہ رتن گیر، قلعہ دھورُپ وانکی، حصار وینجھرائی، حصار انہونت، حصار سلایور، حصار پرندہ، حصار قندھار، حصار اوسہ، حصار کلیان، حصار مانک پنج، حصار کودویل، حصار کیترا، حصار بودھیرا، حصار اپرکا، حصار ستوندہ، حصار تلنم، حصار تانکیر، حصار لوہ گر، حصار مرنجن، حصار کارنی، حصار بیرواری، حصار کرنالہ، حصار ساتکسہ، حصار مورکیل، حصار انوس، حصار ہاتکا، حصار تباکیا، تلنیت پیتالہ، کولدیوہیر، راجدیوہیر، بہیسہ انیگر، ترنبک بہیسہ (صفحہ ۳۵۹۔ برہان مآثر فارسی)

یہ کل ۵۸ قلعے ہیں جو برہان نظام شاہ کے قبضے میں تھے۔ قلعہ ماہلی اور قلعہ ترمبک کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے۔ ترمبک ناسک سے قریب ہے اور مالیگاؤں سے تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی کالنہ (گالنہ) کا قلعہ بھی شامل ہے۔ گالنہ سے قریب ترین قلعہ ماہلی (مالیگاؤں) ہے جو اس سے کم وبیش ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ احمد نگر سے اگر کوئی فوج گالنہ کے لیے نکلتی ہے تو اسے مالیگاؤں سے ہو کر ہی گزرنا پڑے گا۔ یعنی برہان نظام شاہ نے گالنہ سے پہلے ماہلی (مالیگاؤں) کا قلعہ سر کیا ہوگا۔

برہان نظام شاہ کا دور حکومت ۱۵۰۵ء تا ۱۵۵۳ء تھا۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ ماہلی

(مالیگاؤں) کا قلعہ ۱۵۵۳ء میں بہر حال موجود تھا۔

راجہ نارو شنکر کا زمانہ ۱۷۰۰ء تا ۱۷۷۵ء کہا جاتا ہے۔ یعنی نارو شنکر سے کم وبیش ۲۵۰ سال قبل برہان نظام شاہ کا دورِ حکومت تھا اور اس کے قبضے میں ماہلی (مالیگاؤں) کا قلعہ موجود تھا یعنی مالیگاؤں کا قلعہ راجہ نارو شنکر نے نہیں بنایا۔

ڈاکٹر بھگوان کنٹے نے ''احمد نگر چی نظام شاہی'' (مراٹھی) کے صفحہ ۳۲۸ پر برہان نظام شاہ کے مقبوضہ قلعوں کی وہی فہرست دی ہے، جو میں نے برہان مآثر کے حوالے سے پیش کی ہے۔

''احمد نگر چی نظام شاہی'' کے صفحہ ۳۲۹ پر چوتھی سطر میں درج ہے۔

माहुली = जिल्हा नाशिक

'ماہلی، ضلع ناسک'' سے بھی صاف طور پر واضح ہے کہ یہ ماہلی' مالیگاؤں ہے، تھانہ اور ستارا کے ماہلی نہیں۔

برہان مآثر (فارسی) کے مندرجات کی تصدیق ڈاکٹر کنٹے کے ترجمے سے بھی ہوتی ہے اور انھوں نے یہ ترجمہ برہان مآثر کے انگریزی ترجمے سے کیا ہے۔ سرِولسلے ہیگ نے اپنے ترجمے میں ''مالیگاؤں'' کو ماہلی ضلع ناسک ہی لکھا ہوگا یعنی سید علی طبا۔ سرولسلے ہیگ اور ڈاکٹر کنٹے تینوں حضرات کی تصدیق موجود ہے کہ ناسک کا ماہلی یہی مالیگاؤں ہے۔

''مغل کالین بھارتا چا اِتہاس'' میں دیشمکھ لکھتے ہیں:

महाबतखानाने दौलताबादवर जोराचा हल्ला चढविला. प
अखेर महाबतखानाने भरपूर लाच (साडे दहा लाख) व सुरक्षिततेचे वचन दिल्याव
फत्तेखानाने दौलताबाद किल्ला व बालराजा हुसेन निजामशहा यास महाबतखान
च्या ताब्यात दिले, (१७ जून १६३३)

मोगलकालीन भारताचा इतिहास १७०

''مہابت خان نے دولت آباد پر زبردست حملہ کیا۔ اس نے دولت آباد کے قلعہ دار فتح خان کو ساڑھے دس لاکھ کی رشوت اور امان اور سلامتی کا وعدہ کر کے قلعہ حاصل کیا۔۔۔ فتح خان نے احمد نگر کے کم سن شہزادے حسین نظام شاہ کو مہابت خان کے حوالے کر دیا۔

-सागरासारख्या अफाट मोगली फौजेला तोंड देऊन अहमदनगरचं निजामाशाही वाचविण्याचा शहाजीने प्रयत्न केला. पण अखेर अपयश आल्यामुळं शहाजहानशी तह करून माहुली किल्ला मोगलांच्या ताब्यात दिला,(इ. स. १६३६)

मोगलकालीन भारताचा इतिहास १७०

''نظام شاہی بچانے کے لیے شاہ جی نے زبردست کوشش کی (۱۶۳۳/۳۶ء) سمندر کی طرح عظیم مغل فوج کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ آخر کار اسے مغلوں سے صلح کرنی پڑی اور ''ماہلی'' کا قلعہ مغلوں کو دینا پڑا۔''

''شاہ جی نے بڑے دکھ کے ساتھ اپنے کم سن شہزادے نظام شاہ کو خان زماں کے حوالے کر دیا جسے گوالیار کے قید خانے روانہ کر دیا گیا، شاہ جی نے بیجا پور حکومت کی نوکری قبول کر لی۔

دیشمکھ صاحب کے دونوں بیانات میں فرق نظر آتا ہے۔ پہلے بیان میں مہابت خان کے دولت آباد پر حملے کے وقت فتح خان نے شہزادہ حسین نظام شاہ کو مہابت خان کے حوالے کیا اور دوسرے بیان میں کہا جا رہا ہے کہ شاہ جی نے نہایت دکھ کے ساتھ کمسن شہزادے (حسین نظام شاہ) کو خان زماں کے حوالے کیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ''شاہجہاں نے خاندیش اور دکن کی فتح کا منصوبہ بنایا، وہ خود برہان پور تک آ گیا۔ اس نے مہابت خان کو حکم دیا کہ دولت آباد فتح کیا جائے اور اس مہم کو اورنگ زیب کے سپرد کر کے وہ دہلی لوٹ گیا۔ مہابت خان نے دولت آباد قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت فتح خان وہاں کا قلعہ دار تھا۔ اس تعلق سے گجانن بھاسکر لکھتے ہیں :

महाबतखानाने मोर्च्यांची पहाणी केली आणि त्याच दिवशी सुरुंग उडविण्याचा निर्णय घेतला. ही बातमी फतहखानास समजली, तेव्हा मी विजापूरकरांच्या अनुमतीशिवाय तहाच्या वाटाघाटी करणार नाही असा करार त्यांच्याशी केलेला आहे, म्हणून मी किल्ल्यात असलेला रसदेचा तुटवडा आणि मुघलांचे वाढते दडपण यांची माहिती मुरार जगदेवास कळवून त्याचे वकील बोलावून घेतो आणि त्यांची अनुमती घेऊन किल्ला तुमच्या ताब्यात देतो, तरी तुम्ही आज सुरुंग उडविण्याचे स्थगित ठेवावे, असा निरोप घेऊन त्याने आपला एक मनुष्य महाबतखानाकडे पाठविला. फतहखानाचा हा प्रस्ताव प्रामाणिकपणाचा नाही आणि एक दिवस वेळ काढण्याचा हेतू त्यामागे आहे हे महाबतखानास ठाऊक होते. म्हणून त्या दिवशी सुरुंग उडविणे स्थगित ठेवायला हवे असेल तर फतहखानाने त्याचा मुलगा ओलीस ठेवण्याकरिता पाठवून द्यावा असा उलट निरोप महाबतखानाने पाठविला. फतहखानाने तसे न केल्यामुळे सुरुंग पेटविण्यात आला.

श्री राजा शिवछत्रपती —— ५२६

''مہابت خان نے مورچے کا معائنہ کیا اور اسی روز سرنگ اڑانے کا فیصلہ کیا۔ یہ بات فتح خان کو معلوم ہوئی تو اس نے مہابت خان کو پیغام بھیجا کہ میں بیجا پور والوں کی اجازت کے بغیر قلعہ تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس لیے مجھے ایک دن کی مہلت دی جائے تا کہ میں ان سے بات کر سکوں اور اس وقت تک سرنگ نہ اڑائی جائے۔ مہابت خان کو اس امر کا یقین تھا کہ فتح خان اس بہانے سے ایک دن کی مہلت اور چاہتا ہے تا کہ اپنی حفاظت کے لیے کوئی بندوبست کر سکے۔ اس نے فتح خان کو پیغام بھیجا کہ ''تم اپنے ایک بیٹے کو ہمارے پاس بطور یرغمال بھیج دو تو ہم سرنگ نہیں اڑائیں گے'' فتح خان نے مہابت خان کی یہ شرط تسلیم نہیں کی، مہابت خان نے سرنگ اڑا دی۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ فتح خان نے نہ اپنا بیٹا بطور یرغمال مہابت خان کے پاس بھیجا اور نہ حسین نظام شاہ کو اس کے حوالے کیا تھا۔ اس جنگ میں شاہ جی کی بیوی اور ایک بچی بھی مہابت خان کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں۔ بھاسکر صاحب لکھتے ہیں :

या सुमारास 'नबाती' नावाच्या किल्ल्याचा निजामशाही किल्लेदार महलदारखान हा तिथून जवळच असलेल्या गाळण्याच्या किल्ल्यात आला आणि नबातीचा किल्ला महाबतखानाच्या ताब्यात देऊ करणारा निरोप त्याने तिथून महाबतखानाकडे पाठविला. तेव्हा रनदौलाखान व शाहजी यांच्या वैजापूर येथील तळावर हल्ला करावा असा उलट निरोप महाबतखानाने त्यांच्याकडे पाठविला. त्यानुसार महलदारखानाने रनदौलाखान व शाहजी यांच्या वैजापूर येथील तळावर हल्ला करून तो लुटला. शाहजीचे सुमारे चारशे घोडे, दीड लाख होन व इतर पुष्कळ सामानसुमान आणि रनदौलाखानाची रोख रक्कम व सामान मिळून सुमारे बारा लाख होन किमतीची मालमत्ता अशी लूट महलदारखानाच्या हाती पडली. शिवाय जुन्नरहून वैजापुरास आलेली शाहजीची एक बायको व मुलगी याही महलदारखानाच्या हाती सापडल्या.

''اسی دوران نباتی نامی قلعہ کا نظام شاہی قلعہ دار محل دار خان قریب کے گالنہ قلعہ میں آیا اور نباتی کا قلعہ مہابت خان کے سپرد کرنے کی خواہش کا پیغام بھجوایا۔ مہابت خان نے جوابی پیغام میں اسے ہدایت دی کہ وہ بیجا پور کی سرحد پر رن دولہ خان اور شاہ جی کی فوج پر حملہ کرے۔ اسکے مطابق محل دار خان نے حملہ کر کے انھیں لوٹ لیا۔ اس حملے میں شاہ جی کی ایک بیوی اور بیٹی بھی محلدار خان کے ہاتھ گرفتار ہوئیں۔'' اس بیان میں نباتی کے قلعے کا ذکر آیا ہے۔ اس تعلق سے گجانن بھاسکر مہندڑے لکھتے ہیں:

या परिसरात नबाती या नावाचा किल्ला नकाशात आढळत नाही. अमल-इ सालिहमध्येही या किल्ल्याचे नाव नबाती असेच दिलेले आहे. नबाती किल्ला गाळणा किल्ल्याच्या जवळ होता असे बादशाहनाम्यात सांगितले आहे. त्रिंबक किल्ला गाळण्याच्या नैर्ऋत्येस सुमारे १४५ किलोमीटरवर आहे. तेव्हा तो किल्ला इथे अभिप्रेत असणे शक्य नाही. शिवाय त्रिंबक हे नाव फार्सीत चुकून नबाती असे लिहिले किंवा वाचले जाण्याचीही शक्यता नाही. त्यावरून खाफीखानाने दिलेले किल्ल्याचे नाव चुकीचे आहे असे दिसते. नबातीच्या ठिकाणी काय दुरुस्ती करायला हवी ते माझ्या लक्षात येत नाही.

''اس علاقے میں نباتی نام کا قلعہ نقشے میں نہیں مل رہا ہے''بادشاہ نامہ'' میں تحریر ہے۔''عمل صالح'' (کتاب) میں بھی قلعہ کا نام نباتی ہی لکھا گیا ہے۔نباتی کا قلعہ گالنہ سے قریب تھا ایسا''بادشاہ نامہ'' میں تحریر ہے۔ترمبک قلعہ گالنہ سے تقریباً ۱۴۵کلومیٹر پر ہے اسلیے یہ قلعہ نباتی نہیں ہوسکتا۔فارسی میں ترمبک کا نام غلطی سے نباتی لکھے یا پڑھے جانے کا بھی امکان نہیں ہے۔اسلیے خافی خان کا لکھا ہوا قلعے کا یہ نام غلط معلوم ہوتا ہے۔نباتی کی جگہ درست کیا ہونا چاہیے یہ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔''

جناب گجانن بھاسکر مہنڈرے صاحب نے بہت صاف اور واضح بات کی ہے اور زبردستی اس قلعے کو کوئی اور نام نہیں دیا۔دراصل یہ الجھن علاقوں کے ناموں کی تبدیلی کی بنا پر پیش آئی ہے۔مہنڈرے صاحب اگر ذرا سی کوشش اور کرتے تو ممکن ہے کہ''نباتی'' تک پہنچ جاتے۔

پروفیسر شنکر کاپڑنیس لکھتے ہیں :

पूर्वी गाळणा जिल्ह्यात मालेगाव धरून ७ तालुके होते. मालेगाव हा लहानसा कसबा होता. पण तालुक्याचे ठिकाण निंबायत होते

बागलाण इतिहास दर्शन /६

''پہلے گالنہ ضلع میں مالیگاؤں سمیت سات تعلقے تھے،مالیگاؤں یہ چھوٹا سا قصبہ تھا اور تعلقے کا مرکزی مقام''نمبایت'' تھا۔

گالنہ سے قریب ترین قلعہ''ماہلی''(مالیگاؤں) ہے جو گالنہ سے ۲۵کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔اس زمانے میں ماہلی پرگنہ،موجودہ''نمباتی''☞ موضع (ضلع) میں شامل ہے اور ممکن ہے کہ خافی خان نے ماہلی پرگنہ کی بجائے موضع نمباتی کا ذکر کیا ہو!نمباتی کا کتابت میں''نباتی'' ہوجانا بھی قرین قیاس ہے۔نمباتی میں کوئی قلعہ نہیں ہے۔اس لیے یہ قلعہ نباتی جس کا ذکر خافی خان نے کیا ہے وہ یہی ماہلی یعنی مالیگاؤں کا قلعہ ہوسکتا ہے۔۔گالنہ سے قریب ترین بھی یہی ہے اور شاہ جی و فتح خان سے مہابت خان نے دولت آباد، ماہلی،اوسہ اور اودگیر کے علاقے حاصل کیے تھے اس میں نمباتی اور نباتی بھی شامل تھا۔اس لیے یہ نباتی کا قلعہ مالیگاؤں ہی کا قلعہ ہے۔

☞ آج کل یہ''نمبائتی'' کہلاتا ہے۔اس کا ایک نام نعمت آباد بھی ملتا ہے۔ممکن ہے کہ اپ بھرنش ہوتے ہوتے مراٹھی کے اثرات اور مراٹھا اقتدار میں تبدیل ہوکر نعمت آباد سے نمباتی،نمباتی سے نمبائتی تک پہنچا ہو۔جس طرح ماہولی، ماہلی گرام، مالی گرام سے ہوتا ہوا مالی گاؤں اور مالیگاؤں تک پہنچا ہے۔جس طرح لیموں نمبو ہوگیا اسی طرح نباتی نمباتی اور نمبائتی ہوگیا ہو!

یہ تذکرہ ۱۶۳۳/۳۶ء کا ہے یعنی اس زمانے میں مالیگاؤں کا قلعہ موجود تھا اور یہ اس وقت نظام شاہی حکومت میں شامل تھا جس کا قلعہ دار محلدار خان تھا۔اس زمانے میں راجہ نارو شنکر کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ''مالیگاؤں کا قلعہ راجہ نارو شنکر نے بنوایا تھا؟''

''مغل سامراجیہ چا اتہاس'' میں ہے

इ. स. १६३३ मध्ये जेव्हा महाबतखान स्वत: दक्षिणेत आला. तेव्हा फत्तेखानच्या दुहेरी राजनीतीचा त्यास संताप आला. त्याने दौलताबाद किल्यास वेढा दिला.

मोगलांच्या अफाट फौजेला व तुफानी हल्ल्यांना तोंड देऊन शहाजीराजे भोसले यांनी इ. स. १६३३–३६ या काळात निजामशाहीचे पुनरुज्जीवन करण्याचा एक महत्त्वपूर्ण प्रयत्न केला. तथापि यात शहाजीराजांना अपयश आले. म्हणून त्यांनी शहाजहानशी तह केला व माहुली किल्ला मोगलांना दिला व नंतर शहाजी विजापूरच्या नोकरीत गेले.

मोगल साम्राज्याचा इतिहास —— १४२

''۱۶۳۳ء میں مہابت خان دکن آیا تو اسے فتح خان کی دہری پالیسی پر غصہ آیا۔اس نے دولت آباد کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔

مغلوں کی زبردست فوج اور طوفانی حملوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شاہ جی بھونسلے نے ۱۶۳۳/۳۶ء میں نظام شاہی حکومت بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی۔مجبوراً اس نے شاہجہاں سے صلح کرلی اور''ماہلی'' قلعہ مغلوں کے حوالے کردیا۔اس کے بعد شاہ جی نے بیجاپور کی عادل شاہی حکومت میں ملازمت کرلی۔''

یہ بیان بھی میرے گذشتہ بیان کی تائید کرتا ہے کہ''ماہلی قلعہ'' دولت آباد کے قریب اور ایک اہم قلعہ تھا جس کا ذکر تاریخ میں دولت آباد کے ساتھ بار بار آتا ہے۔دولت آباد سے قریب صرف ایک ماہلی تھا اور وہ مالیگاؤں ہے۔ستارا اور بھیونڈی کے ماہلی دولت آباد سے سیکڑوں میل دور ہیں اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ دولت آباد پر قبضہ کرنے والا''ماہلی'' مالیگاؤں کی بجائے ماہلی بھیونڈی یا ستارا پر قابض ہوجائے۔

اس تعلق سے ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

'शहाजहानही जाने. १६३६ मध्ये मोहिमेचे मार्गदर्शन करण्यासाठी दक्षिणेत येऊन पोचला. सम्राट शहाजहानच्या आगमनामुळे दक्षिण मोहिमेत नवा रंग भरला. बादशहाने साम-दाम-दंड-भेदाने शहाजीला पाठिंबा देणाऱ्यांना आपल्या बाजूस घेतले. सहाजिकच इतर प्रदेशांसह उदगीर, औसा, माहुली हे प्रदेश मुघलांना मिळाले.

१९६ ☐ मुघल भारत

’’۱۶۳۶ء جنوری میں شاہجہاں فوج کی قیادت کے لیے خود دکن آن پہنچا۔ شاہجہاں کی آمد سے جنوبی ہند کی مہم میں ایک نیا رنگ آ گیا۔ بادشاہ نے دھمکی، لالچ، سزا اور دیگر ذرائع سے شاہ جی کا ساتھ دینے والے سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا (اس طرح شاہ جی شکست کھا گیا) اور اودگیر، اوسہ اور ماہلی کے علاقے مغلوں کے قبضے میں چلے گئے۔‘‘

اگر آپ نقشہ دیکھیں تو دولت آباد کے اطراف ماہلی (مالیگاؤں)، اوسہ اور اودگیر کے علاقے پائیں گے۔ مندرجہ بالا بیان بھی دولت آباد کی جنگ ہی سے متعلق ہے۔ اس طرح اس میں مذکورہ ’’ماہلی‘‘ بھی مالیگاؤں ہی ہے۔ ’’فورٹس آف مہاراشٹرا‘‘ میں ہے :

" Malegaon Town has a very long history and was an important trading centre. It must have had a fort from ancient times but little is known about it and the present fort is attributed to Naroshankar. (Page 56)

’’مالیگاؤں شہر ایک طویل تاریخ رکھتا ہے اور ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ یہاں زمانہ قدیم سے ایک قلعہ تھا، لیکن کچھ عرصے سے یہ نارو شنکر کے نام سے منسوب ہو گیا ہے۔‘‘

اس بیان کو بغور پڑھیے، صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ مالیگاؤں میں زمانۂ قدیم سے قلعہ موجود تھا لیکن کچھ عرصے سے یہ نارو شنکر کے نام سے منسوب ہو گیا ہے۔ یعنی قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا بلکہ اس کے نام سے منسوب ہو گیا ہے۔

قلعہ اور نارو شنکر کے تعلق سے آخری بات یہ کہ مراٹھا تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور خاص طور پر اس زمانے کی تاریخ دیکھیے جب مراٹھوں نے شمالی ہند پر حملوں کا آغاز کیا۔

نادر شاہ درّانی کے حملے فروری / اپریل ۱۷۳۹ء کے بعد مراٹھوں نے خصوصیت سے شمالی ہند کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۴۹ء سے ۱۷۵۱ء تک مراٹھے بنگش اور شجاع سے لڑتے رہے بعد ازاں ۱۷۵۲ء میں ابدالی کے حملوں سے پریشان ہو کر مغل بادشاہ نے مراٹھوں سے معاہدہ کیا جس کی اہم ترین شق یہ تھی کہ ’’بیرونی حملہ آوروں سے دہلی کی حفاظت کی ذمہ داری مراٹھوں کی ہو گی۔‘‘ اس سے قبل مراٹھا فوجوں نے ۱۷۴۲ء ہی میں اورچھا وغیرہ فتح کر لیے تھے۔ اورچھا کی جنگ میں نارو شنکر شامل تھا۔ اس کے بعد ۱۷۵۸ء میں جب پیشوا نے دوبارہ شمالی ہند پر فوج کشی کی تھی تو

اورچھا سے نارو شنکر بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ اسی دوران ابدالی اپنی فوجیں لے کر لاہور تک پہنچ گیا اور وہاں سے بھی آگے بڑھ آیا۔ معاہدے کے مطابق مراٹھوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ دہلی کی حفاظت کریں۔ اس لیے بھاؤ (مراٹھا سالار) اپنی فوجوں کے ساتھ دلی پہنچ گیا۔ وہاں اس نے قلعے کا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نارو شنکر کو قلعہ کا نگراں مقرر کر کے خود ابدالی کے مقابلے کیلئے پانی پت کی طرف چل پڑا۔ پانی پت میں مراٹھوں کو زبردست شکست ہوئی۔ نارو شنکر اس وقت لال قلعے میں تھا (یاد رہے نارو شنکر پانی پت کی لڑائی میں شامل نہیں تھا) جب اسے شکست کی خبر ملی تو وہ بھاگ کر جھانسی کی طرف نکل گیا۔ چھترپتی اور پیشوا دونوں اس سے ناراض تھے۔ نارو شنکر کو جھانسی ہی میں رکنے کا حکم ہوا۔ اس کی تمام جاگیر، جائیداد ضبط کر لی گئی۔ اس پر غداری کا الزام عائد کیا گیا۔ ۱۷۶۷ء میں نارو شنکر دیپال پور میں تھا۔ ۱۷۶۷ء تا ۱۷۷۵ء وہ سندھیا کے یہاں تھا اور پھر اس کا تذکرہ ۱۷۷۵ء میں گجرات اور ساونور کی مہم میں ملتا ہے اور اسکے بعد وہ بالکل غائب ہو جاتا ہے۔

اس طویل بیان سے صرف یہ مقصود ہے کہ آپ جان لیں کہ تقریباً ۱۷۳۹ء سے ۱۷۷۵ء تک نارو شنکر شمالی ہند میں رہا۔ دکن اور خصوصاً مالیگاؤں سے اس کا کسی بھی طرح کوئی ربط و تعلق نہیں تھا۔ جو شخص ۱۷۳۹ء تا ۱۷۷۵ء شمالی ہندوستان میں تھا وہ ۱۷۴۰ء یا ۱۷۶۰ء میں مالیگاؤں میں ۱۰ سال رہ کر قلعہ کس طرح بنوا سکتا ہے؟

میرا دعویٰ ہے کہ ’’نارو شنکر کبھی مالیگاؤں نہیں آیا اور نہ قلعۂ مالیگاؤں اس کی تعمیر ہے۔‘‘ میں نے مستند تاریخی کتب کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا بلکہ یہ ۱۵۵۳ء تک برہان نظام شاہ کی حکومت میں شامل تھا اور شاہجہاں کے وقت ۱۶۳۶ء میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے، جبکہ نارو شنکر کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔

عرب فوجی : مولانا وحید کیساتھ ہی تقریباً سبھی مؤرخین نے مالیگاؤں کے قلعے میں عرب فوجیوں کی موجودگی پر اتفاق کیا ہے اور یہی عرب فوجی ۱۸۱۸ء میں انگریزوں کے مقابل ڈٹے رہے۔ یہ عرب فوجی دراصل کون تھے؟ الیاس صدیقی صاحب نے ’’مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری‘‘ میں خاندیش ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۲۴) کے حوالے سے لکھا ہے :

’’عرب، اس نام سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ یہ فوجی براہ راست عرب سے آئے تھے۔

یہ لوگ دراصل ان عربوں کی اولادوں میں سے تھے جنھوں نے فاروقی دورِ حکومت ۱۵۹۹ء ۔ ۱۳۷۰ء میں ملازمت اختیار کی اور پھر اس کے بعد مغل، مراٹھا اور مقامی سردار انھیں کرائے پر لیتے رہے۔ یہ اپنے مولدین کے ساتھ بڑی تعداد میں خاندیش کے مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے۔"

(فٹ نوٹ: صفحہ ۴۴)

خاندیش ڈسٹرکٹ گزیٹیر کا یہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ عرب سپاہی اول فاروقی سلطنت کے ملازم تھے۔ بہت ممکن ہے کہ مالیگاؤں کا قلعہ فاروقی بادشاہوں میں سے کسی نے تعمیر کروایا ہو اور اپنے قلعے دار کے ساتھ عرب سپاہیوں کو بھی اس کی نگہداشت پر مامور رکھا ہو اور اس طرح یہ عرب سپاہی اور ان کی اولادیں فاروقی سلطنت سے لے کر مراٹھا حکومت تک اسی قلعے میں بحیثیت ملازم موجود رہی ہوں اور پھر انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد یہاں سے نکلے ہوں۔ اس صورت میں زیادہ امکان یہی ہے کہ مالیگاؤں کا قلعہ فاروقی سلطنت کے بادشاہوں نے تعمیر کیا ہوگا۔

باب چہارم

راجہ نارو شنکر دانی

(خاندان اور سوانح حیات)

ناروشنکر کا خاندان ساسوڑ کے اہم خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں سے کئی مراٹھا سردار ابھرے جنھوں نے مراٹھا فوج میں زبردست کارنامے انجام دیئے ،ان میں وٹھل شیو دیو (ونچورکر)اور ناروشنکر دانی نے بڑی شہرت پائی۔

وٹھل شیودیواور ناروشنکر ایک ہی خاندان سے تھےاور دونوں چچازاد بھائی تھے۔''دانی'' ان کا آڑناؤ تھا جوان کے اجداد کی ملازمت کی بنا پر پڑا۔

ڈاکٹر مندا کھانڈگے لکھتی ہیں :

सरदार विंचूरकर म्हणजे मूळचे सासवडचे दाणी. सासवडजवळील ऐनराव वनपुरी इथले हे दाणी. धान्याचा हिशोब ठेवण्याचे काम त्या दाणींकडे होते. प्रत्येक बलुतेदाराकडून मूठ-मूठ दाण्याचा मान म्हणून दाणी आडनाव पडले. सासवडला त्यांच्या जमिनी आणि बागा होत्या. पुढे दाणींच्या दोन शाखा झाल्या. पैकी एक प्रसिद्ध राजबहादूर मंडळी नाशिक-मालेगावला स्थायिक झाली.

वैभव पेशवेकालीन वाड्यांचे / ८३

''سردار ونچورکر یعنی اصل میں دانی، ساسوڑ کے قریب انراؤون پوری کے دانی۔ اناج کا حساب رکھنے کا کام انکے سپرد تھا۔ ہر بلوتے دار سے مٹھی مٹھی بھر اناج وصول کرتے تھے جسکی بنا پر ''دانی'' آڑناؤ پڑا۔ ساسوڑ میں ان کی زمینات اور باغات تھے۔ آگے دانی خاندانکی دوشاخیں ہوگئیں جن میں سے ایک مشہور راجے بہادر خاندان ہے جو ناسک، مالیگاؤں میں سکونت پذیر ہوگئی۔''

ناروشنکر کے اجداد : ناروشنکر کے اجداد میں سب سے پہلا نام وٹھل پنت کا ملتا ہے پھر اس کے بیٹے کونیر وٹھل کا نظر آتا ہے جو چنداور میں تھا۔ اننت نارائن بھگونت لکھتے ہیں :

मूळ पुरुष कोनेर विठ्ठल चंदावरास होते. त्यांस तेथील सुरनिशी प्राप्त जाहली. त्यांजला पुत्र वडील मुकुंदपंत व धाकटे प्रल्हादपंत हे दोघे जाहले. मकंदपंत सुरनिशीची वहिवाट करीत होते. त्यांजला पुत्र नारोपंत जाहले. ते या प्रांती आले. पाठीमागें मुकुंदपंत यांचा काळ जाहल्यावर, प्रल्हादपंत व त्यांचे पुत्र तेथील सुरनिशी करूं लागले. नारोपंत यांनीं स्वामीजवळ सेवा चाकरी केली. त्याजला सुधागड येथील सबनिशी दिल्ही, ती करीत होते. त्यास पुत्र शंकराजी नारायण जाहले. त्यांजला सचीवपणाचा पदाधिकार स्वामींनीं दिल्हा. त्यांस पुत्र नाहीं. सबब दत्तक परगोत्री महादाजी शंकर घेतले. नंतर औरस पुत्र नारो शंकर जाहले.

File D:\Temp\Mrathi\62.bmp n found.

— २०६

''جدامجد کونیر وٹھل چنداور میں جاگیرداری اور فرمان نویسی کے عہدے پر تھا۔ وہ وہیں رہا اور وہیں اس کی وفات بھی ہوئی۔ کونیر وٹھل کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑا مکند پنت اور چھوٹا پرلہاد پنت،مکند پنت جاگیر کی دیکھ بھال کرتا رہا،اس سے ایک بیٹا نارو پنت ہوا جو اس علاقے (بھور) میں آیا۔ نارو پنت کے بھور یعنی سدھا گڑھ چلے آنے کے بعد مکند پنت وفات پا گیا۔ چنداور میں پرلہاد پنت اور اس کے بیٹے جاگیر کا انتظام سنبھالنے لگے۔ نارو پنت سوامی (چھترپتی) کے پاس نوکری کرنے لگا۔ اسے سدھا گڑھ کی صوبیداری دی گئی۔ اسے ایک بیٹا شنکراجی نارائن ہوا جسے وزیر ''سچیو'' کا عہدہ سوامی نے دیا۔ اس کے اولاد نہیں جس کی وجہ سے دوسرے خاندان سے ایک لڑکے ''مہادجی شنکر'' کو گود لیا۔ بعد میں اس کا اصل وارث ناروشنکر پیدا ہوا۔''

اننت نارائن بھگونت کے اس بیان کی تائید مشہور مراٹھا مؤرخ گووند سکھا رام دیسائی کے بیان سے بھی ہوتی ہے :

पुण्याच्या दक्षिणेस पुरंदर शिरवळपासून वाई सातार्‍यापावेतोंच्या मावळांतील अवघड प्रदेशाचा हा शंकराजीपंत पूर्ण माहीतगार होता. याचा बाप नारो मुकुंद यास शिवाजीनें भोरप ऊर्फ सुधागड किल्ल्याची सबनिशी दिली.

मराठी रियासत : २ / १७३

''پونہ کے جنوب میں پرندر اور شروڑ سے لے کر وائی ستارا تک کے ماوڑ علاقوں کی مکمل معلومات رکھنے والا شنکراجی نارائن تھا۔ اس کے باپ نارو مکند کو شیواجی نے بھورپ عرف سدھا گڑھ کی قلعہ داری دی تھی۔'' اس طرح وٹھل سے لے کر ناروشنکر تک کا شجرہ ذیل کے مطابق ہوگا۔

وٹھل پنت
|
کونیر وٹھل پنت
├── مکند پنت
│   └── نارو پنت
│   └── شنکراجی نارائن
│   ├── مہادجی شنکر (دتک)
│   └── ناروشنکر
└── پرلہاد پنت

شنکراجی نارائن: شنکراجی نارائن، شیواجی کی موت (۱۶۸۰ء) کے بعد مراٹھا فوج میں بڑی اہمیت اختیار کر گیا۔ شیواجی کے دونوں بیٹے سمبھاجی اور راجہ رام میں تخت و تاج کے لیے رسہ کشی شروع ہوگئی۔ سنبھاجی اس وقت کولہاپور میں اور راجہ رام ستارا میں تھا۔ دونوں میں اختلاف شدید سے شدید تر ہو گئے۔ شنکراجی، راجہ رام کا حلیف اور اس کی فوج و حکومت میں اہم عہدے پر فائز تھا۔ اس کے ابتدائی حالات سردیسائی نے مراٹھی ریاست کھنڈ ۲، صفحات ۱۷۳/۷۴ پر بیان کیے ہیں جس کا مختصر ترجمہ پیش نظر ہے۔

"رام چندر پنت کے ساتھ مہاراشٹر میں کام کرنیوالا اس کا پہلا جوڑی دار شنکراجی نارائن تھا۔ وہ بڑا کرتب باز اور کام کا دھنی تھا۔ پونہ کے جنوب میں پرندر اور شیروڑ سے لیکر وائی ستارا تک کے تمام ماوڑ کے علاقوں کی مکمل معلومات رکھتا تھا۔ اسکے باپ نارو مکند کو شیواجی نے بھورپ عرف سدھا گڈھ کی قلعہ داری سونپی تھی۔ اس عہدے پر رہتے ہوئے وہ مورو پنت پنگڑے کی نیابت میں کام کرتا رہا۔ ماوڑ میں اس کی خوش انتظامی کو دیکھتے ہوئے تمام ماوڑی علاقوں کے منتظم کی حیثیت سے اس نے شنکراجی نارائن کا انتخاب کیا۔ ماوڑی عوام کے تعلق سے بہتر معلومات ہونے کی بنا پر ان پر شنکراجی کا کافی اثر تھا۔ اس طرف اورنگ زیب نے سنبھاجی کو گرفتار کرنے کے بعد ماوڑی علاقوں پر قبضے کی مہم تیز کر دی۔ شنکراجی نے فوج جمع کر کے اورنگ زیب سے مراٹھا علاقے واپس لینے کیلئے کامیاب جدوجہد شروع کر دی اور کئی علاقے مغلوں سے چھین لیے۔ شنکراجی بڑا ضدی اور دھن کا پکا تھا۔ جو کام اپنے ہاتھ میں لیتا اسے پورا کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا تھا، اسی لیے رام چندر پنت کو اس پر مکمل اعتماد تھا۔

ماوڑی علاقوں کی واپسی کے لیے شنکراجی نے بڑی ہمت اور چالاکی سے کام لیا۔ اس نے اپنی اور مغل فوجوں کی لڑائی اور فتح حاصل کرنے کا حال ۱۶۹۰/۳/۵ء اور ۱۶۹۰/۷/۳ء کے خط میں مفصل بیان کیا ہے۔

مغل فوجوں سے اپنے علاقے دوبارہ حاصل کرنیکی دھن میں شنکراجی نارائن نے کئی مراٹھا قلعہ داروں، جاگیرداروں اور وطن داروں کے علاقے بھی چھین لیے۔ رام چندر پنت اور شنکراجی نے ان پر قبضہ کر لیا لیکن چھترپتی کی تنبیہہ کے بعد وہ تمام علاقے متعلقہ لوگوں کو واپس کر دیئے۔

سنبھاجی کی گرفتاری کے بعد راج گڈھ کا قلعہ مغلوں کے قبضے میں چلا گیا۔ بادشاہ نے

ابوالخیر خان کو وہاں کا قلعہ دار نامزد کیا۔ مراٹھوں نے اسی دوران دوبارہ اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ انھیں سنبھاجی کی گرفتاری کی خبر نہیں ملی تھی۔ انھوں نے ابوالخیر خان کو اتنا پریشان کر دیا کہ وہ راتوں رات قلعہ چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ اورنگ زیب نے اسے معزول کر کے مکہ بھیج دیا۔

راج گڈھ ہی کی طرح پرتاپ گڈھ، روہیڑا، تورنا کے قلعے بھی شنکراجی نارائن اور رامچند ر پنت نے مغلوں سے دوبارہ چھین لیے۔ یہ تمام کاروائیاں ۱۶۹۰/۱۰/۲۳ء تک ہوئیں۔

شنکراجی نارائن کی ان کامیابیوں کا حال رام چندر پنت نے راجہ رام کو لکھ بھیجا۔ راجہ رام نے خوش ہو کر شنکراجی کو وزیر سچیو کا عہدہ عطا کیا۔

جنجی جاتے وقت راجہ رام نے رام چندر پنت کو "حکومت پناہ" اور شنکراجی کو "راج آگیہ" یعنی "نظام الملک" کا خطاب عطا کیا۔

جنجی پہنچ کر راجہ رام نے وہاں اپنی راجدھانی قائم کی اور "اشٹ پردھان" مقرر کیے۔ "سچیو پد" شنکراجی ملہار زرگند کر کو دیا گیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد زرگند کر کسی بات پر غصہ اور ناراض ہو کر کاشی چلا گیا۔ اس کی جگہ راجہ نے شنکراجی نارائن کو ۱۶۹۰/۱۰/۲۳ء کو "سچیو پد" عطا کیا جو اس کے خاندان میں کئی نسلوں تک قائم رہا۔

جنّر اور بھور کے علاقوں پر قبضہ کرنے کیلئے شنکراجی نارائن اور بادشاہ اورنگ زیب کے قلعہ دار علی بیگ کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ کواری گڈھ میں شنکراجی نے علی بیگ کو زبردست شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی علاقے میں مغلوں کا ساتھ دینے والے ریاجی ہولکر کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ شنکراجی اور دیگر مراٹھا سرداروں کے ہاتھوں میں طاقت اور عہدہ آ جانے کی بنا پر انھوں نے لوگوں پر ظلم بھی کیے اور خاص طور پر چھوٹے موٹے جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط کر لیں۔

پیشوا دفتر کھنڈ ۳۱/ لیکھ ۵۵/۴۶ میں ہے،

"وطن دار لوگ تو کھرا کھوٹا کرتے تھے لیکن بڑے عہدیدار کہاں پاک صاف تھے۔ جتنا زیادہ اقتدار اتنی زیادہ زبردستی و زیادتی۔ شنکراجی نارائن وزیر، سندر تکدیو، دھناجی جادھو، سنتاجی گھورپڑے کے ساتھ رام چندر پنت جیسی جماعت کے لوگ بھی دوسروں کے وطن، جاگیر ہتھیانے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔"

۹/۹/۱۶۹۱ کو راجہ رام نے انھیں تنبیہہ کی، "تم نے پریاگ جی ڈنکر ہتولی کا قبیلہ (بال بچے) پکڑ لیے ہیں اور ان پر چالیس روپے جرمانہ کیا ہے، انھیں فوراً آزاد کر کے ان کے علاقے انھیں واپس دیئے جائیں۔

اسی طرح شنکراجی نے داداجی نرس پربھو کا علاقہ بھی چھین لیا تھا اس کی واپسی کا حکم دیتے ہوئے راجہ رام نے خاص طور پر تنبیہہ کی **हे तुम्हास उचित एकंदर नाही** "تمہارے لیے یہ بات قطعی نامناسب ہے"

راجہ رام کی وفات (۱۷۰۰ء) کے بعد اس کی بیوی تارابائی نے اپنے بیٹے شیواجی دوم کو تخت پر بٹھانا چاہا اور راجہ رام کے تمام حلیف سرداروں سے اس کی حمایت طلب کی۔ تمام سرداروں کے ساتھ شنکراجی نارائن نے بھی تارابائی کی حمایت کی۔ شیواجی دوم چونکہ اس وقت کم عمر تھا اس لیے حکومت کا کاروبار خود تارابائی سنبھالنے لگی۔

کولہاپور میں اس وقت مراٹھا حکومت کے تخت پر شاہو براجمان تھا۔ اس نے تارابائی کو پیغام بھیجا کہ راجہ رام کے بعد کولہاپور اور ستارا کی حکومتوں کو ایک ہو جانا چاہیے، گدی پر میرا حق ہے اور ابھی شیواجی کم عمر بھی ہے ادھر بادشاہ اورنگ زیب گھات لگائے بیٹھا ہے۔ ہمارے آپسی اختلافات سے بادشاہ کو مدد ملے گی اس لیے تم حکومت سے دستبردار ہو جاؤ۔

تارابائی نے شاہو کی بات تسلیم نہیں کی۔ شاہو نے اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کے لیے جنگی کاروائی شروع کر دی۔ کھیڈ کی لڑائی جیتنے کے بعد اس نے اور بھی سخت رویہ اپنایا۔ شاہو نے روہیڈا قلعہ پر حملہ کر دیا اس وقت شنکراجی نارائن روہیڈا قلعے میں تھا۔ اس تعلق سے مراٹھیانچا اتہاس میں کلکرنی اور دیشپانڈے لکھتے ہیں۔

File D:\Temp\Mrathi\1.bmp not found.

"شنکراجی نارائن "سچیو" اس وقت روہیڈا قلعہ میں تھا۔ تارابائی اور شاہو کے درمیان جنگ سے اسے بڑا صدمہ پہنچا اور اس نے خودکشی کر لی۔ شاہو نے شنکراجی کے اکلوتے بیٹے ناروشنکر کو "سچیو" کا عہدہ دیا۔"

مولوی عبدالمجید وحید مرحوم اور دیگر لوگوں نے ناروشنکر کا جو شجرہ پیش کیا ہے اس میں انھوں

نے شنکراجی کے تین بیٹے بتلائے ہیں ۱) ناروشنکر ۲) آباجی پنتھ ۳) لکشمن پنتھ۔ مندرجہ بالا مراٹھی بیان میں صاف اور واضح طور پر لکھا ہے کہ "شنکراجی کا صرف ایک بیٹا تھا اور وہ تھا "ناروشنکر" آباجی اور لکشمن اس کے بھائی نہیں تھے۔

شنکراجی تارابائی کا حمایتی اور آزمودہ کار سالار تھا۔ اس کی پشت پناہی سے تارابائی کو فوقیت حاصل تھی لیکن اس کی خودکشی نے تارابائی کو کمزور اور شاہو کی طاقت میں اضافہ کر دیا تھا۔ سردیسائی لکھتے ہیں۔

ताराबाईंचा पक्षपाती शंकराजी नारायण सचिव यानें आत्महत्या केल्यामुळें शाहूचें बळ वाढलें.

मराठी रियासत : ३ / २८

شنکراجی کی خودکشی سے متعلق مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

ताराबाईंचा पुरस्कर्ता शंकराजी नारायण रोहिड्यावर राहत होता. त्यास शाहूनें भेटीस बोलाविलें. ' क्रियेस स्मरोन आले नाहींत. महाराजांनीं सांगून पाठविलें, आम्ही भेटीस येतों. ऐकून देहत्याग केला. दुसरे दिवशीं महाराज किल्ल्याखालीं गेले तों शव वरून उतरलें. हें पाहून वर जाऊन सचिवाची स्त्री येसूबाई इचें समाधान करून पुत्र नारो शंकर अल्पवयी होता त्याचे नांवें सचिवपद देण्याचें आश्वासन दिलें.

मराठी रियासत : ३ / ४९

"تارابائی کا حمایتی شنکراجی، روہیڈا میں رہ رہا تھا۔ اسے شاہو نے ملاقات کے لیے بلوایا لیکن وہ نہیں گیا۔ شاہو نے اطلاع بھجوائی کہ "میں خود ملاقات کے لیے آرہا ہوں" یہ سن کر شنکراجی نے خودکشی کر لی۔ دوسرے روز مہاراجہ قلعہ کے نیچے پہنچے تو لوگوں نے شنکراجی کی لاش نیچے لا کر رکھ دی۔ یہ دیکھ کر شاہو نے قلعہ کے اوپر جا کر شنکراجی کی بیوی ایسوبائی کو تسلی دی اور کمسن ناروشنکر کو سچیو کا عہدہ دینے کا وعدہ کیا۔ سردیسائی نے شنکراجی نارائن کی خودکشی کی تاریخ اور ذریعہ بھی بیان کیا ہے۔

शंकराजी नारायणाचा मृत्यु कार्तिक शु. १२, ता. २७ ऑक्टोबर, स. १७०७ रोजीं झाला. शंकराजी नारायण हिरकणी खाऊन मेले.

मराठी रियासत : ३ / ४९

"شنکراجی نارائن کی موت کارتک شو ۱۲/ ۲۷ اکتوبر ۱۷۰۷ء کو ہوئی۔ شنکراجی نارائن ہیرے کی کنی کھانے سے مرا۔"

شنکراجی نارائن، رام چندر پنت اور پرشورام پنت، یہ تینوں ہی تارابائی کے اہم ترین سرداروں میں تھے اور یکے بعد دیگرے تینوں اسی طرح تباہ و برباد ہوئے۔ اس طرح تارابائی کی

طاقت ختم ہوگئی اور شاہو مہاراج پونہ اور ستارا کی گدی کے تنہا وارث اور حکمراں ہو گئے۔

''نارو شنکر دانی''

نارو شنکر دانی کی جتنی بھی تاریخ اور سوانحی مضامین ملتے ہیں سارے کے سارے الجھے ہوئے ہیں۔ کہیں نارو شنکر کے نام اور زندگی سے وٹھل شیو دیو ونچور کر کے حالات بیان کر دیئے گئے ہیں اور کہیں کسی اور کے واقعات اس سے جوڑ دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازایں مراٹھا تاریخ میں نارو نام کے بہت سارے سردار ہوئے ہیں۔ ان میں بھی لوگ الجھ گئے اور کئی نارووں کو ملا کر ایک نارو شنکر بنا دیا گیا۔ مراٹھا تاریخ میں مجھے جو نارو ملے ہیں، ان کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) نارو مکند (۲) نارو پنت (۳) نارو بابا جی نگر کر (۴) نارو پرلہاد (۵) نارو پنت چکر دیو (۶) نارو ترل ہنمنتے (۷) نارو پنڈت (۸) نارو شنکر دانی (۹) نارو مہادیو (۱۰) نارو شنکر پرتی ندھی (ناگپور کر) (۱۱) نارو گووند آوٹی (۱۲) نارو ترمبک (۱۳) نارو پنت آپٹے (۱۴) نارو باچنس (۱۵) نارو سکھارام (۱۶) نارو ہری کرندی کر (۱۷) نارو گنگا دھر مجمدار (۱۸) نارو شیو دیو اوڑھیکر (۱۹) نارو مہادیو اچل کرنجی کر (۲۰) نارو رام منتری (۲۱) نارو اپا جی (۲۲) نارو گنیش (۲۳) نارو گوپال (۲۴) نارو پنت نانا تلسی باغ والے (۲۵) نارو پنت نانا داملے (۲۶) نارو بھگونت کلکرنی (۲۷) نارو راپا جی ٹھاکر گوڑے (۲۸) نارو وینکٹیش (۲۹) نارو کرشن دیو (۳۰) نارو گنیش شوچے (۳۱) نارو ترمبک ایکبوٹے (۳۲) نارو جی نائک (۳۳) نارو نیل کنٹھ (۳۴) نارو گنیش چھاتک گوائی (۳۵) نارو ہری۔

اس طرح مراٹھا تاریخ میں ۳۵ نارو گزرے ہیں۔ ممکن ہے ان سے زیادہ ہوں جو میرے بھی علم میں نہ آسکے۔

اتنے سارے نارووں کے درمیان ''نارو شنکر دانی'' کی سوانح اور تاریخ مرتب اور تالیف کرنا دشوار امر ہے۔ اسی بنا پر نارو شنکر پر لکھنے والے اکثر غچہ کھا گئے اور کئی نارووں کو ملا کر ایک نارو شنکر بنا دیا گیا اس طرح نارو شنکر دانی کی تاریخ الجھ کر رہ گئی۔

ان تمہیدی سطور کے بعد نارو شنکر دانی کے سوانحی حالات ملاحظہ فرمائیے۔

خاندان : جیسا کہ شنکراجی نارائن کی سوانح میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اصل میں

''انراوَون پوری'' کے باشندے تھے۔ پونہ کے قریب ساسوڑ میں ان کی زمینیں اور باغات تھے اس لیے یہ ''ساسوڑکر'' کہلائے، ''دانی'' کہلائے جانے کی وجہ بھی بیان کی جا چکی ہے۔ اس خاندان میں وٹھل پنت سے لے کر وٹھل شیو دیو ونچور کر اور نارو شنکر دانی نے مراٹھا سوراج کے لیے زبردست کارنامے سرانجام دیئے اور تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش ثبت کر گئے۔

پیدائش : شنکراجی نارائن کے یہاں ایک بیٹا ''جناردن'' پیدا ہو جو کمسنی ہی میں مرگیا۔ اس کے برسوں بعد بھی جب اس کے یہاں کوئی اور اولاد پیدا نہیں ہوئی تو اس نے ایک لڑکے ''مہادجی شنکر'' کو گود لے لیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد اس کا حقیقی وارث اور صلبی اولاد پیدا ہوئی جس کا نام نارو رکھا گیا اور یہ اپنے باپ شنکر کے نام کے ساتھ ''نارو شنکر'' سے مشہور ہوا۔ اور خاندانی آڑ ناؤ کی وجہ سے نارو شنکر دانی کہلایا۔

نارو شنکر کی اصل جائے پیدائش کا علم نہ ہو سکا لیکن اس کی تاریخ پیدائش ضرور ملتی ہے وہ شراون شکے ۱۶۲۸ یعنی اگست ۱۷۰۶ء میں پیدا ہوا۔ سردیسائی لکھتے ہیں :

नारो शंकराचा जन्म श्रावण शक १६२८ चा म्हणजे ऑगस्ट, १७०६ चा आहे.

मराठी रियासत : ३ / ४९

اس واضح شہادت کے بعد یہ قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ نارو شنکر ۱۷۰۶ء میں پیدا ہوا۔ جن مورخین نے اس کی پیدائش ۱۷۰۰ کی بتائی ہے وہ قطعی غلط ہے۔ شنکراجی نارائن نے روہیڈا کے قلعہ میں ۲۷/ اکتوبر ۱۷۰۷ء میں خودکشی کی تھی اس وقت نارو شنکر کی عمر صرف ایک سال دو ماہ تھی۔ اس لیے امکان ہے کہ نارو شنکر روہیڈا میں پیدا ہوا ہوگا۔

شنکراجی نارائن کی خودکشی کے بعد نارو شنکر کی ماں ایسو بائی کو شاہو مہاراج نے تیقن دلایا کہ اس کے بیٹے نارو شنکر کو سچیو پد پر برقرار رکھا جائے گا۔ اتنا ہی نہیں اس نے نارو شنکر کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے شیو دیو سومن کو اس کا اتالیق بھی مقرر کر دیا۔ اور ایسو بائی کو روہیڈا کی جاگیر پر برقرار و قائم رکھا۔

سوانح حیات : جاگیر اور عہدے کی بحالی و برقراری کے بعد ایسو بائی اپنے بیٹے نارو شنکر کے ساتھ روہیڈا عرف وِچتر گڑھ میں رہنے لگی۔

۱۷۱۶ء میں شاہو کے مخالف مراٹھا سرداروں نے اسے تخت سے بے دخل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ شاہو کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے حلیف اور وفادار سرداروں کو فوری طور پر اپنی فوجوں کے ساتھ طلب کر لیا۔ دونوں جانب سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس دوران چندرسین نے شاہو مہاراج کو اور دماجی تھورات نے بالاجی وشوناتھ کو گرفتار کر لیا۔ بڑی تگ و دو اور بھاری معاوضے کی ادائیگی کے بعد ان کی رہائی عمل میں آئی۔ اگر ان دونوں کو رہا نہیں کروایا گیا ہوتا تو شاید مراٹھا سوراج یہیں پر ختم ہو جاتا۔

رہا ہونے کے بعد شاہو، چندرسین اور دماجی تھورات کا قلع قمع کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ نارو شنکر کی ماں ایسو بائی بھی سین اور تھورات کی اس حرکت پر چراغ پا تھی۔ وہ تھورات کے خاتمے کے لیے فوج لے کر روہیڈا سے روانہ ہوئی اور قلعہ کا بندوبست رانجھے کر کے سپرد کیا جس میں اس کے بیٹے نارو شنکر کی حفاظت کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ دماجی تھورات کو جب ایسو بائی کی پیش قدمی کی خبر ملی تو وہ ہوشیار ہو گیا۔ بقول سردیسائی ''تھورات بھی بڑا استاد نکلا'' جب اسے یہ معلوم ہوا کہ روہیڈا قلعہ فوج سے خالی ہے اور نارو شنکر وہاں موجود ہے تو اس نے اپنے آدمی بھیج کر نارو شنکر کو پکڑ بلوایا اور ایسو بائی کو دھمکی دی کہ اگر اس نے اس کے خلاف کوئی کاروائی کی تو نارو شنکر کو ختم کر دیا جائے گا۔ تھورات نے نارو شنکر کو ہنگن گاؤں میں قید رکھا۔ ایسو بائی مجبور ہو گئی۔

नारो शंकर लहान नऊ वर्षांचा, पण त्याची मातुश्री येसूबाई व्यवहारदक्ष होती, तिनें आपला कारभारी रांझेकर यास हाताशीं घेऊन थोरातावर स्वारी करण्याचें काम अंगावर घेतलें. पण थोरातही मोठा वस्तादच भेटला. सचिवाची फौज चालून येतेसें पाहून त्यानें अल्पवयी नारो शंकर याचा मुकाम रोहिडा ऊर्फ विचित्रगडाखालीं असल्याचा शोध आणून, अचानक माणसें पाठवून त्यास पकडून हिंगणगांवास बंदोबस्तानें ठेविलें आणि तुम्ही आमच्या वाटेस जाल तर पुत्रास ठार मारूं, असा येसूबाईस धाक घातला. (मार्च १७१७).

मराठी रियासत : ३ / ८८

شاہو نے نارو شنکر کی رہائی کے لیے اس کے اتالیق شیو دیو سومن کو ذمہ داری سونپی۔ اس نے پلاجی جادھو واڑی کر کی معرفت تھورات سے گفت و شنید شروع کی اور آخر کار تھورات نے زبردست معاوضہ وصول کر کے نارو شنکر کو رہا کر دیا۔ نارو شنکر تھورات کی قید میں ۴ یا ۸ ماہ رہا۔

۱۷۱۷ء میں اس کی رہائی عمل میں آئی۔

सचिवाची आई अत्यंत दुःखी झाली. सचिव गर्दीत असल्यामुळें हिंगणगांवावर एकदम हल्ला करण्याची सोय राहिली नाहीं. कांहीं तरी युक्तीनें प्रथम नारो शंकरास सोडवून आणणें जरूर होतें. पंताजी शिवदेव सोमण हा सचिवाचा मुतालिक कल्पक व धोरणी होता, त्यास शाहूनें ती कामगिरी सांगितली (ता. २९ मार्च, १७१७). † पंताजीनें पिलाजी जाधव वाडीकर याचे मार्फत दमाजीशीं बोलणें चालविलें. त्याला पुष्कळसे पैसे पाहिजे होते, स्वार्थापलीकडे दमाजीचा दुसरा कांहीं उद्देश नव्हता. अशा स्थितींत पुनः भला मोठा द्रव्यदंड स्वीकारून दमाजीनें नारो शंकरास सोडून दिलें. चार आठ महिने नारो शंकर त्याचे कैदेंत असावा.

मराठी रियासत : ३ / ८९

آخر ۱۷۱۸ء میں بالاجی نے سید حسین (سید برادران) کے توپ خانے کی مدد سے ہنگن گاؤں پر حملہ کیا۔ تھورات کو گرفتار کر کے اس کی گڑھی پر گدھے کا ہل چلوا دیا۔

نارو شنکر پر گزرنے والا یہ حادثہ شاہو کیلئے بیحد تشویش ناک تھا۔ اس نے نارو شنکر کو اپنی تحویل و نگرانی میں لے لیا اور اس کی جنگی تربیت کے لیے غالباً سپہ سالار بالاجی وشوناتھ کے سپرد کر دیا۔

سید علی کا مراٹھوں کے ساتھ اتحاد ہو چکا تھا۔ اس نے دہلی پر حملے کا منصوبہ بنایا اور شاہو سے مدد مانگی۔ ۱۷۱۸ء میں سید حسین علی اورنگ آباد سے نکلا۔ بالاجی وشوناتھ بھی مراٹھا فوج کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس مراٹھا فوج میں دابھاڑے اور بھونسلے جیسے اہم سرداروں کے ساتھ نارو شنکر بھی موجود تھا۔ جبکہ اس وقت اس کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ یہ فوج ۱۷۱۹ء میں واپس آ گئی۔

۱۷۲۸ء میں باجی راؤ نے اچانک مالوہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اطراف و جوانب کا بھرپور جائزہ لیا۔ پھر چماجی کو باگلان اور خاندیش سے فوج جمع کر کے نربدا کے علاقے میں جانے کا حکم دیا اور یہ اجازت بھی دی کہ حالات کے مطابق وہ آگے بھی پیش قدمی کر سکتا ہے۔

چماجی کی اس فوج میں پہلی بار جنگ کا باقاعدہ تجربہ حاصل کرنے والوں میں نارو شنکر بھی تھا۔

भीवराव रेठरेकर, गणपतराव मेहेंदळे, नारो शंकर, अंताजी माणकेश्वर, गोविंद बल्लाळ खेर अशीं अनेक जिव्हाळ्याचा माणस चिमाजीबरोबर या स्वारींत पहिला अनुभव मिळवून पुढें प्रसिद्धीस आलीं.

मराठी रियासत : ३ / ३१३

''باجی بھیوراؤ ریٹھریکر، گنپت راؤ مہندڑے، نارو شنکر، انتاجی مانکیشور، گووند بلاّڑ کھیر، ایسے جانباز لوگ چماجی کیساتھ اس فوج میں پہلا جنگی تجربہ حاصل کرتے ہوئے روشنی میں آئے۔''

اس طرح نارو شنکر ۱۷۲۸ء میں پہلی بار باقاعدہ ایک سپاہی کی حیثیت سے فوج میں شامل ہوا

اور یہ اس کا پہلا جنگی تجربہ تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔

گووند سکھارام دیسائی، مراٹھا تاریخ نویسوں میں بہت بڑا نام ہے۔ انھوں نے ''مراٹھی ریاست'' لکھ کر مراٹھا تاریخ کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے، اسی لیے انھیں ریاست کار کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے۔ نارو شنکر کے تعلق سے دیسائی صاحب بھی ایک جگہ چوک گئے۔ وہ لکھتے ہیں :

''۱۷۲۰ء سے ملہار راؤ کے ساتھ مالوہ کے معاملات میں نارو شنکر کا نام بھی ملتا ہے۔ نارو شنکر پہلے اداجی پوار کی خدمت میں تھا۔ اس کے بعد ۱۷۳۰ء سے وہ ملہار راؤ ہولکر کی خدمت میں آ گیا۔''

نارو شنکر نے (عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے) لوگوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس ظلم رانی کی بنا پر اسے اس عہدے سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ بابو جی نائک کی تقرری کر دی گئی۔ اس امر کی تفصیلات ۶/۱۱/۱۷۳۲ء کے خط سے معلوم ہوتی ہیں۔

نارو شنکر ۱۷۰۶ء میں پیدا ہوا۔ ۱۷۱۸ء میں پہلی بار گیارہ سال کی عمر میں وہ بالاجی وشوناتھ کیساتھ شمالی ہند جانے والی فوج میں نظر آتا ہے لیکن سپاہی کی حیثیت سے نہیں۔ وہ ''بازار بنگوں'' میں شامل تھا۔ بنگے فوجیوں کے اہل وعیال اور تاجر وساہوکار ''بازار'' دونوں ملا کر ''بازار بنگے'' کہلاتے تھے۔

دیسائی صاحب کہتے ہیں ۱۷۲۰ء میں نارو شنکر کی تقرری اُداجی پوار کے یہاں ہوئی یعنی اس وقت نارو شنکر کی عمر صرف ۱۴ سال کی تھی۔ اتنی کم عمری میں کسی کو بڑا عہدہ کس طرح سونپا جا سکتا ہے۔ اور جب ہولکر کے یہاں اس کی تقرری ہوئی (۱۷۳۰ء) تو اس کی عمر ۲۴ سال تھی۔ ایک جگہ خود دیسائی صاحب نے ہی لکھا ہے کہ نارو شنکر چماجی کے ساتھ ۱۷۲۸ء میں نرمدا کی مہم میں شامل تھا۔ اس سے قبل وہ بالاجی وشوناتھ کے ساتھ ۱۷۱۸ء تا ۱۷۱۹ء اور ۱۷۱۹ء تا ۱۷۲۸ء چماجی کے ساتھ فوج میں تھا۔ تو پھر وہ ۱۷۲۰ء تا ۱۷۳۲ء اُداجی پوار اور ہولکر کے یہاں کس طرح ہو سکتا ہے؟

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نارو شنکر دانی مراٹھا فوج میں تھا، اُداجی پوار اور ملہار راؤ ہولکر کے یہاں جو نارو شنکر تھا وہ کوئی اور تھا۔

میں نے گذشتہ اوراق میں ''نارووں'' کی ایک طویل فہرست دی ہے، اس میں دو نارو شنکر ہیں۔ ایک تو ہے نارو شنکر دانی سچیو اور دوسرا ہے نارو شنکر پرتینڈھی جو ناگپور کر کہلاتا ہے۔ اُداجی پوار اور ملہار راؤ کے یہاں یہی نارو شنکر پرتینڈھی تھا اور یہی پرتینڈھی ۱۷۷۵ء میں ناگپور میں فوت ہوا۔ ہمارے مورخین نے اسے نارو شنکر دانی سمجھ کر اس کی موت کا سنہ ۱۷۷۵ء تحریر کر دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسی نارو شنکر پرتینڈھی کا شجرۂ نسب نارو شنکر دانی سے جوڑ کر اسے کئی بچوں کا نفیتہ باپ بھی بنا دیا جبکہ میرے پاس ثبوت ہے کہ نارو شنکر ۱۷۷۶ء تک حیات تھا اور وہ لاولد تھا۔ باجی راؤ نے ۱۷۳۰ء میں بندیل کھنڈ پر فوج کشی کی۔ دیسائی صاحب لکھتے ہیں :

बाजीरावाबरोबर या वेळीं पिलाजी जाधव, नारोशंकर, तुकोजी पवार, दावलजी सोमवंशी वगैरे मिळून पंचवीस हजार फौज होती. ता. १२ मार्च रोजीं महोब्यानजीक छत्रसालच्या पुत्रानें बाजीरावाची भेट घेतली.

मराठी रियासत : ३ / ३३६

''باجی راؤ کے ساتھ اس مرتبہ پلاجی جادھو، نارو شنکر، تکوجی پوار، داول جی سومونشی وغیرہ سمیت ۲۵ ہزار فوج تھی۔ تاریخ ۱۲ مارچ (۱۷۳۰ء) میں نارو شنکر کو باجی راؤ کی فوج میں موجود بتایا ہے تو پھر وہ اُداجی پوار اور ملہار راؤ ہولکر کے یہاں ۱۷۲۰ء تا ۱۷۳۲ء کس طرح ہو سکتا ہے؟

دیسائی صاحب کا یہ بیان بھی میرے اس دعوے کی تصدیق کر رہا ہے کہ نارو شنکر دانی سچیو اور نارو شنکر پرتینڈھی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں جنھیں غلطی سے ایک سمجھ لیا گیا ہے جس کی بنا پر اتنی زبردست فروگذاشت ہوئی کہ نارو شنکر پرتینڈھی کی اولادیں تک نارو شنکر دانی سے منسوب ہو گئیں۔ سردیسائی لکھتے ہیں:

'ता. ७ मार्च रोजीं नर्मदापार होऊन सिंदे-होळकरांसह माळवा बुंदेल-खंडांतून चालला असतां नारोशंकर लिहितो," संप्रत आम्ही यजमानासमागमें माळवे प्रांतास आलों.

मराठी रियासत : ४ / ४२०

''تاریخ ۷ مارچ (۱۷۳۱ء) کو نربدا پار کر شندے، ہولکر کے ساتھ آگے کوچ کرتے ہوئے نارو شنکر پیشوا کو لکھتا ہے، ''ہم تمام بخیریت مالوہ کے علاقے میں پہنچ گئے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی نارو شنکر نے وہاں کے تفصیلی حالات بھی تحریر کیے ہیں جس میں فوج اور سرداروں کے احوال بھی شامل ہیں اور سرداروں کی زور زبردستی کا تذکرہ بھی ہے۔

نارو شنکر کے اس خط کے جواب میں پیشوا نے اسے تاکید کی کے سرداروں کے اختلافات اور ان کی زیادتیاں ختم کرنے کیلئے فوری تدبیر کی جائے اور بندیل کھنڈ کے معاملات اور صوبیداری نارو شنکر کو سونپ دی جائے یعنی ۱۷۳۱ء میں نارو شنکر بندیل کھنڈ میں ہے ہولکر کے یہاں نہیں۔

۱۷۳۱ء تا ۱۷۴۲ء نارو شنکر کی سرگرمیوں کا مرکز بندیل کھنڈ کا علاقہ رہا اور وہ پیشوا کے حکم سے وہیں رہا۔ ۱۷۴۲ء میں پیشوا بالاجی نے پھر شمالی ہند پر فوج کشی کی اور بندیل کھنڈ جا پہنچا اور اپنی مرکزی چھاؤنی وہیں قائم کی کیوں کہ بندیل کھنڈ میں رہ کر وہ دلّی سے لیکر بنگال تک کے علاقوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔

۱۷۴۲ء میں پیشوا اورچھا کے قریب پہنچا اور اس پر قبضہ کرنے کے لیے نارو شنکر کو مامور کیا۔ دیسائی صاحب لکھتے ہیں :

नंतर श्रीमंतांकडून नारोशंकर राजे ब्रहाद्दर यांची रवानगी फौजे सुद्धां झाली. ते ओर्छावर चालून गेले. त्यांनीं राजास कैद करून ओर्छांत गाढवाचा हल फिरवून खोदून टाकिलें. ओर्छा उजाड जालें.

मराठी रियासत : ४ / ८१

''شری منت پیشوا کے حکم پر نارو شنکر فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس نے اورچھا کے راجہ کو گرفتار کر کے اورچھا پر گدھے کا ہل چلوا دیا، اور چھا اجاڑ ہو گیا۔''

اورچھا کی فتح کے بعد

File D:\Temp\Mrathi\34.bmp not found.

''اورچھا کی فتح سے پیشوا کو یہ فائدہ ہوا کہ جھانسی کا علاقہ اس کے قبضے میں آ گیا۔ اس نے اورچھا اور اس کے اطراف کے علاقے ملہار کرشن راؤ اور رانو جی سندھیا کو عطا کر دیئے۔ نارو شنکر ۱۷۵۶ء تک یہیں رہا۔''

ओर्छा शहर नारोशंकरनें धुळीस मिळविल्यावर तेथील राजानें दक्षिणेस ५.० मैलांवर तेहरी येथें नवीन राजधानी केली, तें राज्य विद्यमान आहे. नारोशंकरनें झाशीचा किल्ला ताब्यांत घेऊन खालीं शहर वसविलें.

मराठी रियासत : ४ / ८२

''نارو شنکر کے اور چھا شہر کو مٹی میں ملا دینے کے بعد راجہ نے وہاں سے جنوب کی سمت ۵۰ میل پر ''تہری'' کو اپنی راجدھانی بنایا۔ نارو شنکر نے جھانسی کا قلعہ اپنے قبضے میں کیا اور اسکے نیچے ایک شہر آباد کیا۔''

۱۷۵۶ء تک نارو شنکر جھانسی کا قلعہ دار رہا، اس کے بعد یہاں دوسرے قلعہ داروں کا تقرر ہوتا رہا جن کی تفصیلات جناب دیسائی صاحب نے اس طرح بیان کی ہیں :

नारोशंकराच्या पश्चात् झाशीस मराठ्यांचे अंमलदार झाले त्यांची नांवनिशी येथेंच सांगणें उचित होईल. १ महादाजी गोविंद (काकिर्डे ?) स. १७५६ पासून स. १७६०; २ बाबूराव कोन्हेर स. १७६१-१७६५ ; ३ विश्वासराव लक्ष्मण स. १७६६-१७६९; ४ नंतर रघुनाथ हरि नेवाळकर पराक्रमी तलवार बहाद्दर सुभे झाले, त्यांनीं ओर्छाच्या राजास कैद करून झाशीच्या किल्ल्यावर ठेविलें. ओर्छा उजाड जाहलें. रघुनाथ हरीच्या वंशाकडे कारभार चालला

मराठी रियासत : / ४ —— ८२

''نارو شنکر کے پیچھے جھانسی میں جو عملدار ہوئے اس مقام پر ان کی تفصیل دے دینا مناسب ہوگی۔ (۱) مہادجی گووند ۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۰ء (۲) بابوراؤ کونہیر ۱۷۶۱ء تا ۱۷۶۵ء (۳) وشواس راؤ لکشمن ۱۷۶۶ء تا ۱۷۶۹ء (۴) رگھوناتھ ہری نیوالکر ۱۷۶۹ء سے صوبیداری اس کے خاندان میں قائم ہو گئی۔''

دیسائی صاحب کا یہ اندراج بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ہمارے مورخین نے نارو شنکر کو جھانسی کا صوبیدار بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ نارو شنکر کے بعد اس کی اولاد جھانسی کی صوبیداری پر قائم رہی۔ (دیکھیے تاریخ مالیگاؤں، مولوی وحید، صفحہ ۴۳ دوسرا ایڈیشن)

مولوی مجید وحید مرحوم اور ان کے خوشہ چینوں نے وشواس راؤ لکشمن کو شنکراجی کا پوتا اور نارو شنکر کا بھتیجہ بتایا ہے جبکہ میں نے گذشتہ صفحات میں ثابت کیا ہے کہ نارو شنکر اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھا اور لکشمن نام کا اس کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ جب بھائی ہی نہیں تھا تو بھتیجہ کہاں سے آئے گا؟

نارو شنکر اگرچہ جھانسی کا قلعہ دار تھا لیکن وہ صرف وہیں بیٹھا نہیں رہا بلکہ وقتاً فوقتاً اسے دیگر ذمہ داریاں بھی سونپی جاتی رہیں اور وہ جنگوں میں بھی شریک رہا۔

پیشوا نے مالوہ اور بندیل کھنڈ پر مراٹھا پرچم لہرا دیا تھا۔ مالوہ میں شندے اور ہولکر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے اور خراج وغیرہ کی وصولی برابر ہو رہی تھی لیکن بندیل کھنڈ میں انتاجی مانکیشوراور گووند بلاڑ کھنڈنی (خراج) وصول نہیں کر پا رہے تھے، یہاں تک کہ اورچھا میں راجہ نے

رانو جی کے بیٹے کو مار ڈالا۔ دیسائی صاحب کے مطابق :

बुंदेलखंडांत अंताजी माणकेश्वर व गोविंद बल्लाळ यांच्या हातून सालोसालच्या ठरलेल्या खंडण्या देखील वसूल होईनात. आछाच्या राजानें राणोजीचा पुत्रही मारला, तेव्हां तेथें नारो शंकराची नेमणूक झाली. पुढें तीन चार वर्षें बुंदेलखंडांत निरनिराळ्ये टिकाणीं अव्यवस्था माजून कित्येक प्रचंड रणसंग्राम मराठ्यांना करावे लागले. पेशव्याचें लक्ष तिकडे वेधलेलें होतेंच. स. १७४४ च्या अखेरीस त्यानें उत्तर हिंदकडे प्रयाण केलें.

’’بندیل کھنڈ میں انتاجی مانکیشو راور گووند بلاڑ کے ہاتھوں سالانہ خراج کی رقم وصول نہیں ہو پا رہی تھی۔ اورچھا کے راجہ نے رانو جی کے بیٹے کو مار ڈالا جس کی بنا پر وہاں نارو شنکر کی تقرری عمل میں آئی۔ اس کے بعد ۱۷۴۴ء کے اواخر میں پیشوا نے اُتر ہندوستان کی جانب کوچ کیا‘‘

مندرجہ بالا حوالہ پیش کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ ایک تو یہ معلوم ہو جائے کہ ۱۷۴۴ء میں نارو شنکر بندیل کھنڈ میں تھا، دیگر یہ کہ نارو شنکر کی تقرری اس امر کی شاہد ہے کہ وہ بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج بھی تھا اور پیشوا کو یقین تھا کہ جو کام انتاجی مانکیشو راور گووند بلاڑ نہیں کر سکے یعنی خراج کی وصولی وہ کام نارو شنکر ہی کر سکتا ہے۔ ۱۷۵۳ء میں رگھوناتھ راؤ نے شمالی ہندوستان پر فوج کشی کی۔ دیسائی صاحب لکھتے ہیں :

ता. ३० ऑगस्ट, स. १७५३ रोजीं चार घटका रात्रीस रघुनाथराव थालनेरां-तून मुहूर्तानें बाहेर पडला. सखाराम बापू, चिंतो विठ्ठल, महिपतराव चिटणीस, बाबूजी नाईक, समशेर बहाद्दर, त्रिंबकराव पेठे, रामचंद्र गणेश कानडे, कृष्णराव काळे, नारो शंकर, विठ्ठल शिवदेव, बाबूराव हरि अशी नवी जुनी कर्तबगार मंडळी रघुनाथरावाबरोबर होती.

मराठी रियासत : ४ / ४६१

’’۳۰ اگست ۱۷۵۳ء کو رات کے چوتھے پہر مہورت کے مطابق رگھوناتھ راؤ تھالنیر سے روانہ ہوا۔ سکھا رام باپو، چنتو وٹھل، مہی پت راؤ چٹنس، بابو جی نائک، شمشیر بہادر، ترمبک راؤ پیٹھے، رامچند رگنیش کانڑے، کرشن راؤ کاڑے، نارو شنکر، وٹھل شیو دیو، بابو راؤ ہری جیسی کرشمہ ساز جماعت رگھوناتھ راؤ کے ساتھ تھی۔‘‘

دیسائی صاحب کے اس بیان سے تھوڑا سا الجھاؤ پیدا ہوتا ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ۱۷۵۳ء میں رگھوناتھ راؤ تھالنیر سے شمالی ہند کے لیے نکلا تو نارو شنکر بھی اس کے ساتھ تھا۔ ۱۷۴۲ء سے

۱۷۵۶ء تک نارو شنکر بندیل کھنڈ (جھانسی اور چھا) میں تھا۔ یہ ممکن ہے کہ رگھوناتھ راؤ کے بندیل کھنڈ پہنچنے پر وہیں سے نارو شنکر بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا ہو!

دیسائی صاحب نے انتاجی مانکیشور کے ایک خط کا متن پیشوا کے نام شائع کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نارو شنکر نہ صرف یہ کہ سخت مزاج تھا بلکہ شرارت پسند بھی تھا اور مال و دولت کا لوبھی بھی تھا۔ اس کے لیے وہ اپنوں کو بھی لوٹنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ شمشیر بہادر بھی نارو شنکر کے ساتھ اس فعل میں شریک تھا (شمشیر بہادر، مستانی اور باجی راؤ کا بیٹا تھا۔ مستانی کو باندہ کی جاگیر باجی راؤ کی طرف سے ملی تھی آج کے باندہ کے نواب اسی نسل سے متعلق ہیں)

समशेरबहादरास नारोशंकर मिलाफी जाले आहेत. वकिलांकडे निराळा जाबसाल लाविला आणि समशेरबहादरास ग्वालेरीसच गोंवून, आमचे सरजाम लुटून सत्यानाश करविला. त्यांस आमचे साह्यास येऊं दिल्हें नाहीं. आपण आला नाहीं. नारोशंकरानीं नामर्दी करून जो घात केला, तो त्याची शिरच्छेदच करावासा केला.

मराठी रियासत : ४/५१४

’’شمشیر بہادر اور نارو شنکر ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ گوالیار سے آگے بڑھ کر انھوں نے ہماری تمام مال و متاع لوٹ کر ستیاناس کر دیا۔ ہمارے مددگاروں کو آنے نہیں دیا، تم بھی نہیں آئے۔ نارو شنکر نے نامردی سے جو گھات کی ہے اسکا سدّباب ہونا چاہیے۔‘‘

نومبر ۱۷۵۶ء میں ابدالی نے چوتھی بار ہندوستان پر فوج کشی کی اور پنجاب میں داخل ہو گیا۔ ۱۷۵۷ء میں وہ دلّی تک آ پہنچا۔

ادھر سے رگھوناتھ راؤ اپنی فوج لے کر فروری ۱۷۵۷ء میں اندور پہنچ گیا۔ مئی ۱۷۵۷ء میں وہ ہولکر کے ساتھ دوآبہ کے علاقے میں جا دھمکا۔ اس کی مدد کے لیے نارو شنکر اور شمشیر بہادر آگرہ تک آ گئے تھے۔ یعنی ۱۷۵۷ء میں نارو شنکر آگرہ میں تھا۔

ابدالی دہلی تک تو آ گیا لیکن اس کی حالت تباہ ہو گئی، اس کی فوج میں قحط پڑ گیا۔ انتاجی نے تجویز پیش کی کہ ابدالی پر اسی وقت چاروں طرف سے حملہ کر دیا جائے۔ پنجاب سے سکھ، اس طرف سے جاٹ اور مراٹھے ایک ساتھ حملہ آور ہوں تو ابدالی کو پیس ڈالیں گے لیکن رگھوناتھ راؤ نے اس کی تجویز نہیں مانی اور دیسائی صاحب کے خیال کے مطابق پیشوا نے ایک سنہرا موقع گنوا

دیا۔ جس کا خمیازہ پانی پت کی جنگ میں بھگتنا پڑا۔

یکم فروری ۱۷۵۸ء کو دلّی کا بندوبست کرنے کے بعد دتہ ّجی پنجاب کی طرف بڑھا۔ سایاجی شندے وہاں موجود تھا، اس نے درخواست کی کہ یہاں سکھوں وغیرہ کی شورشوں سے بڑی دشواری پیش آرہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کسی بہادر جنگجو کو یہاں رکھا جائے جس کے ساتھ کم از کم ۱۵ ہزار فوج ہو۔ نظر انتخاب نارو شنکر پر پڑی۔ اسے پنجاب طلب کیا گیا لیکن اس نے جواب دیا کہ پیشوا کی اجازت کے بغیر میں پنجاب نہیں آسکتا۔ (مراٹھی ریاست ۴، صفحہ ۵۴۸)

۱۷۶۰ء میں ابدالی پھر ہندوستان آدھمکا۔ اس وقت شجاع الدولہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ ابدالی اور مراٹھے دونوں چاہتے تھے کہ شجاع ان سے مل جائے۔ وہ جس کی طرف ہو جائے گا اس کا پلہ ّبھاری ہو گا۔ اس کے لیے دونوں فریقین نے کوششیں شروع کر دیں۔ ادھر نجیب الدولہ اپنی فوج لے کر شجاع کی طرف بڑھا۔ شجاع ان باتوں سے تنگ آ گیا۔ پیشوا نے راما جی اننت اور نارو شنکر کو شجاع کے پاس بھیجا اور کہا کہ وہ مراٹھوں سے مل جائے اور لکھنؤ میں بے فکری سے رہے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری مراٹھوں کے سر ہو گی۔ گوند پنت نے بھی شجاع سے گفت وشنید کی۔ شجاع کچھ کچھ آمادہ بھی ہوا لیکن نجیب الدولہ کی فوج کشی سے وہ گھبرا گیا اسے علم تھا کہ وہ ابدالی کے ساتھ ہے۔ اگر شجاع مراٹھوں کے ساتھ ہو گیا اور ابدالی نے فتح پائی تو وہ کہیں کا نہیں رہے گا اور مراٹھوں کا وعدہ صرف وعدہ رہ جائے گا۔ (مراٹھی ریاست ۴، صفحہ ۴۸۰/۸۱)

''اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نارو شنکر ۱۷۶۰ء میں شمالی ہندوستان میں ہی تھا۔''

ادھر پونہ میں چھترپتی مہاراج کو شمالی ہند کی تشویشناک صورت حال کا علم ہوا تو اس نے سداشیو بھاؤ اور اپنے بیٹے وشواس راؤ کو ایک زبردست فوج کے ساتھ شمالی ہند کے لیے روانہ کیا۔ بھاؤ تیزی سے راستہ طے کرتا ہوا دلّی تک پہنچ گیا۔ اس کی فوج میں ابراہیم خان گاردی بھی اپنے زبردست توپ خانے کے ساتھ شامل تھا۔

بھاؤ کے دلّی پہنچنے پر تمام مراٹھا سردار ہولکر، شندے، نارو شنکر، وٹھل شیو دیو وغیرہ سب کے سب ان سے آن ملے۔ اس طرح ایک زبردست مراٹھا فوج یکجا ہو گئی جس کی نفری کم وبیش ساڑھے تین لاکھ تھی۔

اب تک جہاں جہاں نارو شنکر کا نام آیا ہے میں نے اس کے ساتھ ''راجہ'' کہیں نہیں لکھا (سوائے مراٹھی عبارت کے ترجمے میں) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک نارو شنکر کو ''راجہ بہادر'' کا خطاب نہیں ملا تھا۔

دسمبر ۱۷۶۰ء میں بھاؤ اور وشواس راؤ کی قیادت میں مراٹھا فوج لال قلعہ تک پہنچ گئی۔ بھاؤ نے وشواس راؤ کو آگے کیا اور خود اس کے پیچھے لال قلعہ میں داخل ہوا۔ قلعے کے دیوان خاص میں مجلس منعقد کی اور وہیں نارو شنکر کو ''راجہ بہادر'' کا خطاب دے کر ۵ ہزار فوجیوں کے ساتھ قلعہ اور خزانے کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں :

''نویں ذی الحجہ سال مذکورہ ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹/۶۰ء) قلعہ (لال قلعہ) بدستِ بھاؤ افتادہ، حرم سرائے شاہی و جمیع کارخانہ جاتِ سلطنت با اختیار مراٹھا رفت۔ بھاؤ قلعہ داریٔ شاہجہاں آباد بہ نارو شنکر تفویض کردو جمعے را با حراستِ قلعہ ہمراہِ اُو کردی۔'' (تذکرہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ صفحہ ۷۰)

'' نویں ذی الحجہ سال مذکور ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء) لال قلعہ بھاؤ کے ہاتھ آ گیا۔ حرم سرا اور تمام کاروبار مراٹھوں کے اختیار میں آ گیا۔ بھاؤ نے شاہ جہاں آباد دہلی کی قلعہ داری نارو شنکر کو تفویض کی اور اس کی کمان میں ایک جماعت قلعہ کی حفاظت کے لیے مقرر کر دی۔''

دیسائی صاحب لکھتے ہیں۔

रावास पुढें करून भाऊसाहेबानें किल्ल्यांत प्रवेश केला आणि तेथील वस्तु-जाताचा कबजा घेतला. या राजधानीच्या दर्शनानें भाऊसाहेबास धन्यता वाटली. इब्राहीमखान, मल्हारराव, जनकोजी, दमाजी गायकवाड, समशेर बहाद्दर, यशवंतराव पवार, इत्यादिकांसमवेत त्यानें सर्व किल्ला व जागा फिरून पाहिल्या. दरबार भरवून त्यानें सर्वांकडून विश्वासरावास नजरा करविल्या. द्रव्यही मिळालें. नारोशंकरास राजेबहादूर किताब देऊन दिल्लीचा बंदोबस्त सांगितला. हाताखालीं मीरखान टोके व पांच हजार फौज ठेविली. **मराठी रियासत** : ४ / ५८६

''وشواس راؤ کو آگے کر کے بھاؤ قلعے میں داخل ہوا اور وہاں موجود مال واسباب اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس راجدھانی کے دیدار سے بھاؤ کو بڑی خوشی ہوئی، ابراہیم خان، ملہار راؤ، جنکو جی، دماجی گائیکواڑ، شمشیر بہادر، یشونت راؤ پوار وغیرہ کے ساتھ گھوم کر اس نے تمام قلعہ کا معائنہ کیا۔ دربار منعقد کر کے وشواس راؤ کی خدمت میں نذریں دلوائیں، خلعتیں تقسیم کیں۔ نارو شنکر کو

’’راجہ بہادر‘‘ کا خطاب دیا، میر خان ٹوکے کواس کا نائب مقرر کر کے پانچ ہزار فوجیوں کے ساتھ اسے قلعے کی حفاظت پر مامور کیا۔‘‘

ناروشنکر کے ’’راجہ بہادر‘‘ کا خطاب پانے کے تعلق سے کئی کہانیاں مشہور ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ یہ خطاب عالمگیر ثانی نے دیا۔کوئی کہتا ہے کہ پیشوا نے دیا۔کوئی لکھتا ہے کہ چھترپتی مہاراج نے دیا۔غرض یہ تمام باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں۔ناروشنکر کو ’’راجہ بہادر‘‘ کا خطاب لال قلعہ میں ۱۷۶۰ء میں بھاؤ نے وشواس راؤ کے توسط سے دیا۔

یہاں تک ۱۷۲۸ء سے ۱۷۶۰ء تک ناروشنکر کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔اس تمام عرصے میں وہ مالوہ، بندیل کھنڈ، اورچھا، جھانسی، آگرہ اور دہلی میں نظر آتا ہے۔جنوبی ہند میں اس کی موجودگی کا کوئی پتہ نہیں چلتا اور نہ عالمگیر ثانی ہی سے اس کا کوئی تعلق نظر آتا ہے جس کی بنا پر عالمگیر ثانی اسے مالیگاؤں کی جاگیر عطا کرتا ہے۔ناروشنکر ۱۷۶۰ء میں پہلی بار دہلی پہنچا اور اس سے قبل ہی ۱۷۵۹ء میں عالمگیر ثانی کا قتل ہو چکا تھا۔اس طرح بھی ثابت ہوتا کہ ناروشنکر کو عالمگیر ثانی نے مالیگاؤں کی جاگیر نہیں دی تھی۔

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ وضاحت کر دی جائے کہ ناروشنکر کے باپ شنکراجی نارائن کو راجہ رام کی طرف سے بھورپ عرف سدھا گڈھ کی جاگیر ملی تھی جو اس کی موت کے بعد ناروشنکر کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔مالیگاؤں اور ناروشنکر سے متعلق آگے بات ہوگی۔

ابدالی کے دو زبردست جنگجو عطائی خان اور کریم داد خان نجیب کی قیادت میں شہادرہ پر حملہ آور ہوئے اور ۱۹ دسمبر ۱۷۶۰ء کو اس پر قبضہ کر لیا۔یہاں ناروشنکر کی ایک مختصر سی فوجی ٹکڑی تھی جسے ان خانوں نے تہ تیغ کر دیا۔

پانی پت کی لڑائی : جنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں ابدالی اور مراٹھوں کا سامنا ہوا۔ہندوستان کی سرزمین پر لڑی جانے والی جنگوں میں یہ سب سے بھیانک جنگ تھی جس میں دونوں فوجوں کے کم وبیش ۳ لاکھ سپاہی ہلاک ہوئے۔

مراٹھوں کے لیے تو یہ جنگ زبردست تباہی لائی۔اس قدر مراٹھا سپاہی اس جنگ میں کام آئے کہ تمام مہاراشٹر لرز اٹھا۔ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔اس جنگ کی تفصیلات کے لیے مشہور

مؤرخ شیجول کر کی ’’پانی پت ۱۷۶۱ء‘‘ اور وشواس پاٹل کی ’’پانی پت‘‘ ملاحظہ فرمائے۔چونکہ میرا موضوع ناروشنکر ہے اس لیے یہاں پانی پت کی تفصیلات بیان کرنا غیر ضروری ہے کیونکہ ناروشنکر اس جنگ میں شامل نہیں تھا۔اس وقت وہ لال قلعہ میں تھا۔

ناروشنکر کا لال قلعہ سے فرار: پانی پت کے میدان میں ابدالی سے مکمل شکست کھانے سے پہلے ہی چند مراٹھا سردار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور سیدھے دہلی کا رُخ کیا اور شام تک تو کئی بڑے سردار سمیت بہت سارے سپاہی بھاگ کر لال قلعہ پہنچ گئے۔انھوں نے مراٹھوں کی شکست اور تباہی کی ایسی بھیانک داستان سنائی کہ ایک بار تو ناروشنکر جیسا نڈر اور جانباز سردار بھی کانپ گیا۔اس نے اپنے مفرور سپاہیوں کی حالت سے اندازہ لگا لیا کہ پانی پت میں مراٹھوں پر کیا گزری ہوگی۔اس پر بھی گھبراہٹ طاری ہوگئی اور وہ بھی ابدالی کے خوف سے لال قلعہ چھوڑ کر فرار ہو گیا۔یہاں تک کہ زنان خانہ اور خزانہ تک قلعہ میں پڑا رہ گیا اور ناروشنکر دہلی سے جان چھوڑ کر بھاگا۔

ناروشنکر کے اس بزدلانہ فرار سے متعلق دیسائی صاحب رقم طراز ہیں :

. नारोशंकर दिल्लीचे बंदोबस्तास होता.
जवळ सात आठ हजार फौज व सरकारी खाजना पाच लाख, आणि शिंद्यांचा व सावकारांचा खजिना पांच-सहा लाख असा होता. तो सर्व ऐवज तसाच टाकून, पानपतचें वर्तमान कळतांच, फौजेसह दिल्लींतून त्वरेनें पळून गेले. दिल्ली जागा चांगली मजबूद, आंत तीन-चार महिने पुरेल इतका दारुगोळा व पोटगी भरपूर होती. त्यावरून त्यांस तेथें निर्भय सुरक्षित राहतां आलें असतें. नारोशंकर पळून न जाते तर पानपतावरून आलेल्या फौजेस आश्रय मिळून तेथेंच सर्वांस टांसून राहतां आलें असतें. गिलचे कांहीं त्यांच्या पाठलागास आले नव्हते. नारोशंकरानें पळ काढल्यामुळें अब्दालीनें सात दिवसांनीं येऊन दिल्लीचा कबजा घेतला.

मराठी रियासत : ४ — ६३४

’’ناروشنکر دلّی کے بندوبست پر مامور تھا۔اسکے پاس تقریباً سات ہزار فوج، سرکاری خزانہ پانچ لاکھ، سندھیا اور دیگر ساہوکاروں کا خزانہ پانچ چھ لاکھ تھا۔پانی پت کی شکست کی خبر سنتے ہی وہ تمام خزانہ اور مال واسباب ویسے ہی چھوڑ کر بھاگ نکلا۔دلّی ایک مضبوط ٹھکانہ تھا۔قلعہ میں اس قدر گولا بارود تھا کہ تین چار مہینہ کام آتا اور خوراک کا ذخیرہ بھی بھرپور تھا اس بنا پر وہ وہاں بے خوف اور محفوظ رہ سکتا تھا۔گلچے (افغانی) ان کے تعاقب میں بھی نہیں تھے۔ناروشنکر کے فرار کی وجہ سے ابدالی سات دنوں کے اندر ہی دہلی آپہنچا۔‘‘

سٹوجی جادھو، پلاجی کا بیٹا پانی پت کی لڑائی میں شریک تھا۔اس نے مراٹھوں کے فرار کی

داستان اپنے ۹ فروری ۱۷۶۱ء کے خط میں تحریر کی ہے جسمیں ناروشنکر کے بارے میں وہ لکھتا ہے :

File D:\Temp\Mrathi\5.bmp not found.

’’ناروشنکر دلّی سے پانچ سات ہزار فوجوں کے ساتھ بھاگ نکلا‘‘

दिल्लीचे वंदोबस्तास नारोशंकर किल्ल्यांत होता तो पानिपताचे दुसरे दिवशीं सायंकाळीं दिल्लीहून निघून गेला. त्याजबरोबर पानपताहून आलेला गंगोबा तात्या होळकराचा दिवाण होता. खजिना सुद्धां नारोशंकरानें तसाच मागें टाकिला.

मराठी रियासत : ४ / ६४१

’’دلّی کے بندوبست پر ناروشنکر تھا۔ وہ پانی پت کے دوسرے روز ہی شام کو دلّی سے نکل گیا۔ اس کے ساتھ پانی پت سے بھاگا ہوا ہولکر کا دیوان گنگو با تاتیا بھی تھا۔ خزانہ تک ناروشنکر نے ویسا ہی قلعے میں چھوڑ دیا۔‘‘

مشہور مراٹھا مؤرخ شیجولکر لکھتے ہیں :

दिल्लीस मुख्य अधिकारी नारो शंकर होता व त्याजवळ काही लाख खजिनाही होता. तो काढून व व्यवस्थित लावून ते गुरुवारीच पळते तर निभावून गेले असते. पण ते वरील कारणासाठी झाले नाही. गुरुवारी संध्याकाळी होळकरांचा दिवाण गंगोबा तात्या पळत दिल्लीस येऊन पोहोचला. त्याने नारो शंकराकडे भोजन केले व त्यास सविस्तर वर्तमान सांगितले असे बखर म्हणते. पण सूंपर्ण हकीकत सांगण्यास तोच पानिपतास

अखेरपर्यंत हजर नव्हता. तेव्हा त्याने पराभवाचे भविष्य सांगितले असे म्हटले पाहिजे. याजउपरी त्यास जैसा भगवंत मार्ग देईल त्याप्रमाणे निघोन पार व्हावे. सुधा मार्ग दिसत नाही. तुम्ही डोळे झाकून का बसला ?'' असे तो नारो शंकरास म्हणाला व स्वतः तसाच घोड्यावर स्वार होऊन दक्षिणेकडे पळत गेला! अर्थात ही हकीकत ऐकून सर्व भयभीत झाले व आपला खजिना किंवा बाडबिछायत सर्व सोडून घोड्यावर स्वार होऊन पळत सुटले

पानिपत : १७६१ ॥ २२४॥

’’دلّی کا افسر اعلیٰ ناروشنکر تھا جس کے پاس کئی لاکھ خزانہ تھا۔ ہولکر کا دیوان گنگو با تاتیا (پانی پت سے) بھاگا ہوا دلّی آیا۔ اس نے ناروشنکر سے کہا ’’تم آنکھیں بند کیے ہوئے کیوں بیٹھے ہو؟ سبھی خوفزدہ ہوگئے اور خزانہ کیا بال بچے تک چھوڑ کر بھاگ نکلے۔‘‘

ناروشنکر کے دلّی سے فرار کے واقعے کو اتنی تفصیل اور اتنے حوالوں سے پیش کرنے کی ضرورت اسلیے پیش آئی کہ اس غلط روایت اور کہانی کا خاتمہ ہوسکے جو عام طور پر مشہور ہے کہ :

’’ناروشنکر پانی پت کی شکست کے بعد خزانہ اور مراٹھا زنان خانہ بحفاظت دلّی سے نکال لایا جس

پر پیشوا نے خوش ہو کر اسے جاگیر اور موتی کا چوکڑا دیا جو ناروشنکر ہمیشہ اپنے کانوں میں پہنے رہتا تھا۔‘‘ (دیکھیے تاریخ مالیگاؤں۔ مجید وحید مرحوم، صفحہ ۳۹)

میں نے جتنے بھی حوالے پیش کیے ہیں انھیں بغور پڑھیے حقیقت صاف طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ناروشنکر نے پانی پت کی شکست کا حال سن کر بڑی افراتفری کی حالت میں دلّی سے فرار اختیار کیا۔ یہاں تک کہ خزانہ تک وہیں چھوڑ دیا۔ شیجولکر نے تو صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ خزانے کے علاوہ وہ زنان خانہ یعنی مراٹھوں کے بال بچے (باڑ بچھایت) تک وہیں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

خزانہ اور باڑ بچھائت چھوڑ کر فرار ہونے والے شخص کو انعام؟ اور پھر یہ بال بچے کس کے تھے۔ بھاؤ سپہ سالار اور دیگر تمام سرداروں کی بیویاں اور بچے تھے، انھیں چھوڑ کر فرار ہونے والے کو جاگیر عہدہ اور شاباشی کی بجائے سزا ملنی چاہیے تھی۔ سو ناروشنکر اور اس جیسے بھگوڑوں کو پیشوا نے سخت سزائیں دیں۔ دیسائی لکھتے ہیں :

महिना दोन महिन्यांत पेशवा व जवळचे सल्लागार यांस पानिपत प्रकरणाची उमज बरोबर पडून नारोशंकर. होळकर. इत्यादींनीं घाबरून दिल्ली सोडून दिली या आगळिकीबद्दल पेशव्यानें त्यांचे महाल जप्त केले

मराठी रियासत : ४ / ६५५

’’مہینے دو مہینے کے اندر ہی پیشوا اور اس کے صلاح کاروں کو پانی پت کی تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں اور یہ بھی کہ ناروشنکر، ہولکر وغیرہ نے گھبرا کر دلّی سے راہ فرار اختیار کی۔ اس بزدلی کی بنا پر پیشوا نے ان کی جاگیریں ضبط کر لیں۔‘‘

याच वेळी हिंगणे व नारो शंकर यांस शिक्षा म्हणून त्यांचे कमाविशीचे महाल त्यांकडून काढून घेण्यात आले होते

पानिपत : १७६१ / ॥ १५३ ॥

’’اس وقت ہنگنے اور ناروشنکر کی جاگیریں اور عہدے ضبط کر لیے گئے۔‘‘

ان حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ ناروشنکر اور دیگر بھگوڑے سرداروں کو پیشوا نے سزائیں دیں، ان کی جاگیریں ضبط کر لیں اور انھیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا گیا۔ پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ ’’ناروشنکر کو خزانہ بحفاظت نکال لانے پر پیشوا نے انعام اور شاباشی دی؟‘‘ حقیقت کے کتنی برخلاف روایت مشہور کر دی گئی ہے!!

اس تعلق سے ایک بات اور میرے ذہن میں آتی ہے کہ ’’ناروشنکر پر یہ الزام مناسب نہیں

ہے کہ اس نے ''مراٹھا خزانہ'' چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔'' میرے اس خیال کی وضاحت سے پہلے ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمالیجئے پھر آپ کی سمجھ میں میرا نظریہ باآسانی آجائے گا۔

दिल्ली विजित केल्यावर जवळजवळ २ महिने (ऑगस्ट–ऑक्टोबर १७६०) भाऊने दिल्लीला मुक्काम केला ह्यावेळी सैन्याची संख्या १ लाख झालेली होती. ह्या सैन्याने आजुबाजूचा सर्व प्रदेश उजाड बनविला. त्यामुळे धान्याचा प्रचंड तुटवडा भासू लागला पैशाची कमतरता होतीच. पुण्याहून कोणतीही मदत मिळत नव्हती म्हणून भाऊने दिवाण–इ–आमच्या छताची चांदी काढली. त्यातून ९ लाख रु. मिळाले.

मराठ्यांचा इतिहास (१२०)

''دلّی فتح کرنے کے بعد بھاؤ نے قریب قریب دو ماہ (اگست/اکتوبر ۱۷۶۰ء) دہلی میں قیام کیا۔ اس وقت فوجوں کی تعداد ایک لاکھ ہوگئی تھی۔ ان فوجوں نے اطراف کے تمام علاقوں کو لوٹ کر اجاڑ کر دیا تھا جس کی وجہ سے اناج کی زبردست قلّت پیدا ہوگئی تھی۔ پیسے کی کمی تو تھی ہی، پونہ سے بھی مدد نہیں مل رہی تھی اس لیے بھاؤ نے لال قلعہ کی دیوان عام کی چھت سے چاندی نکال کر فروخت کی جس سے اسے نو لاکھ روپے ملے۔''

اس بیان سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ بھاؤ جب لال قلعہ پہنچا تو وہ تقریباً قلاّش ہو چکا تھا، پیسہ ختم ہو چکا تھا۔ بیشتر مورخین نے پانی پت میں مراٹھوں کی شکست کے اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی بتایا ہے کہ مراٹھا فوج کنگال ہو چکی تھی، انکے پاس روپیہ پیسہ تھا اور نہ کھانے کو اناج۔ پانی پت کی جنگ میں اترنے والے بیشتر مراٹھا سپاہیوں کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ کتنوں نے صرف چنے کھا کر پانی پی لیا تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ''پانی پت ۱۷۶۱ء، شیجولکر)

اس صورت حال میں جبکہ مراٹھوں کے پاس ان کا اپنا کوئی ذاتی خزانہ تھا ہی نہیں، لال قلعے کے دیوان عام کی چھت سے نکالی گئی چاندی سے حاصل شدہ روپیہ بھاؤ اپنے ساتھ پانی پت لے گیا تھا اور بادشاہِ دہلی کا مال واسباب اور مراٹھا سرداروں اور ساہوکاروں کا روپیہ ہی لال قلعہ میں تھا۔ چونکہ یہ حکومت کا خزانہ نہیں تھا، اس لیے ناروشنکر نے اس طرف توجہ بھی نہیں دی ہوگی ورنہ اس کے پاس اتنا وقت تو تھا ہی کہ وہ خزانہ بآسانی نکال لے جاتا کیونکہ وہ پانی پت کی شکست کے دوسرے دن شام کو دلّی سے نکلا تھا۔ میرے خیال میں دلّی میں اس وقت خزانہ نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی ورنہ ناروشنکر جیسا جری سپاہی اسے وہاں چھوڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن اس کے بزدلانہ فرار نے اس کے دامن پہ کئی داغ لگا دیئے۔

پانی پت کے سانحہ کے بعد ۶/اپریل ۱۷۶۱ء کو پیشوا اندور پہنچا اور ایک روز قیام کر کے ہدایت جاری کرتے ہوئے وہ برہان پور کے لیے روانہ ہوگیا اور وہاں سے خط لکھا کہ ''تمام صوبیداریاں ضبط کی جاتی ہیں'' اس ضبطی کے حکم پر تمام صوبیداروں کے تیور کڑے ہوگئے۔ انھوں نے پیشوا کو لکھا :

बाजीरायांपासून आजपावेतों एकनिष्ठेनें सेवा केली. शब्द लावून घेतला नाहीं. हल्लींही कांहीं कसूर केली नाहीं. यावर ४ एप्रिलास पेशव्यानें लिहिलें, मल्हारबांनीं इंदुरास राहावें. विठ्ठल शिवदेव, नागेशंकर, गणेश संभाजी यांनीं छावणीस राहून बंदोबस्त करावा.

मराठी रियासत : ४

''باجی راؤ سے لے کر آج تک پوری وفاداری کے ساتھ خدمت کی، ایک لفظ نہیں کہا، اس وقت بھی کوئی قصور نہیں کیا۔'' اس کے جواب میں ۴/اپریل کو پیشوا نے لکھا ''ملہار راؤ اندور میں رہے۔ وٹھل شیودیو، ناروشنکر، گنیش سنبھاجی چھاؤنی کا نظم سنبھالیں۔''

اس کے کچھ ہی عرصے بعد پیشوا نے آہستہ آہستہ کئی صوبیداروں کی صوبیداریاں دوبارہ بحال کردیں کیونکہ ان سرداروں کو ناراض کر کے وہ مراٹھا فوج اور حکومت کو کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یہاں تک پیش کیے گئے تمام تر حوالے مستند مورخوں کی کتابوں سے لیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ناروشنکر ۱۷۲۸ء سے ۱۷۶۱ء تک شمالی ہندوستان میں رہا۔ اس کا جنوبی ہند میں آنا ہوا ہی نہیں اور اسے ''راجہ بہادر'' کا خطاب بھاؤ نے دسمبر ۱۷۶۱ء میں لال قلعہ میں عطا کیا تھا۔

اس صورت حال میں جبکہ ناروشنکر ۱۷۲۸ء تا ۱۷۶۱ء شمالی ہند میں تھا اور جنوبی ہند سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں رہ گیا تھا تو پھر وہ مالیگاؤں میں ۱۷۴۰ء یا ۱۷۶۰ء میں آکر قلعہ کس طرح بنواتا؟

ان شواہد کی بنا پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ

''ناروشنکر کبھی مالیگاؤں نہیں آیا اور نہ قلعہ اس کی تعمیر ہے۔''

۱۷۶۱ء میں پانی پت کی ہزیمت اور لال قلعہ سے فرار کے بعد ناروشنکر کہاں کہاں رہا اس کے تاریخی شواہد بھی ملاحظہ فرمایئے۔ دیسائی صاحب لکھتے ہیں :

दादानें सातारा येथें ता० १३ डिसेंबरास भवानरावाचें पद काढून तें आपल्या मुलाच्या नांवें केलें आणि नारो शंकरास मुतालकी सांगितली. प्रत्यक्ष छत्रपतीस दूर करण्याचा खटाटोप दादानें त्यावेळीं केला नाहीं. दुर्दैवानें दादाचा हा पुत्र पुढें तीन महिन्यांनीं स. १७६३ च्या मार्चांत देवी येऊन मृत्यु पावला

मराठी रियासत : ५ / ५० —५१

”دادا نے ستارا میں ۱۳ر دسمبر ۱۷۶۲ء کو بھوان راؤ کو اس کے عہدے سے معطل کر کے وہ عہدہ اپنے بیٹے کے نام کر دیا اور نارو شنکر کو اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کیا۔ بد قسمتی سے دادا کا یہ بیٹا مارچ ۱۷۶۳ء میں چیچک کی بیماری میں فوت ہو گیا۔“

नारोशंकर व विठ्ठल शिवदेव मिलाफी असून हे पंचायतन आतां अल्पकाळ आपली करामत दाखवूं लागले. ता० ६ डिसेंबरास यांनीं आळेगांवचा तळ सोडला.

”نارو شنکر اور وٹھل شیو دیو ایک دوسرے کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی کرامت دکھانے لگے۔ تاریخ ۶ دسمبر ۱۷۶۲ء کو انھوں نے آڑے گاؤں کا مقام چھوڑا۔“

نارو شنکر دسمبر ۱۷۶۲ء میں آڑے گاؤں میں دادا (پیشوا) کے ساتھ تھا اور ۱۷۶۳ء میں اس کے بیٹے کا اتالیق مقرر رہا۔

आषाढ व० ३० तारीख ९ ऑगस्ट रोजीं मराठे माजलगावच्या मुकामास आले,

दरम्यान गोपाळरावानें गोपिकाबाईस लिहिलें अविंधांचे लष्करांतून श्रीमंतांनीं कृपा करून बोलाविलें. नारोशंकरास आम्हांकडे पाठविलें, त्यावरून आज स्वार होऊन चाललों." पण गोपाळराव येण्यापूर्वीच मोगलाचा संहार झाला. नारोशंकर, सखारामबापू हे देखील त्या संग्रामांत नव्हते.

मराठी रियासत : ५ — ६२

”تاریخ ۹ راگست ۱۷۶۳ء کو مراٹھے ماجل گاؤں پہنچے۔ اس وقت گوپال راؤ، گوپیکا بائی کو لکھتا ہے ’’ارندھ کے لشکر سے شری منت نے نارو شنکر کو بلوا کر ہماری طرف بھیجا اس لیے آج سوار ہو کر روانہ ہوئے، گوپال راؤ کے آنے سے قبل ہی مغلوں کو شکست ہو گئی، اس طرح نارو شنکر اور سکھارام باپو بھی جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ ۹ راگست ۱۷۶۳ء کو نارو شنکر ”ماجل گاؤں“ میں تھا۔

फेब्रुवारींत नारोशंकर लिहितो
दादांची आज्ञा घेऊन रावसाहेबांचे स्वारींत चाकरीसाठीं विजापुर मुक्कामीं, हजर झालों. बहुत कृपा करतात.

मराठी रियासत : ५ / १६९

فروری ۱۷۶۴ء میں نارو شنکر لکھتا ہے ،

”دادا کی اجازت سے راؤ صاحب کے ساتھ خدمت کی غرض سے بیجا پور کے مقام پر حاضر ہوا، بہت مہربانی کرتے ہیں۔“

نارو شنکر ۱۷۶۴ء میں بیجا پور میں تھا۔

गोहदकरानें पंधरा लाख खंडणी करार केली. तेव्हां गाहेदचे मोर्चे उठले. भेटी व्हावयाच्या ठरल्या. चमेली पलीकडे जवाहीरसिंग – अलीकडे दादासाहेब: जाठाचे चित्तांत दग्याचा संशय आला. त्यानें मध्यस्थ नारोशंकर व अनूपगीर उमरावगीर गोसावी यांजवर झुंज केलें पांच सातशें माणूस पडलें." हा प्रकार मार्गशीर्ष शु. ७ ता. ८ डिसेंबर स. १७६६ चा होय.

मराठी रियासत : ५ / १३९

”گوہد والوں نے پندرہ لاکھ خراج منظور کیا جس کی وجہ سے گوہد کا محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ ملاقات کی ٹھہری چمیلی (ندی) کے ایک طرف جواہر سنگھ اور دوسری طرف دادا، جاٹوں کے دل میں دھوکے کا شبہ پیدا ہوا۔ انھوں نے ”بچو لیے“ نارو شنکر اور انوپ گیر گوساوی پر ہلا بول دیا۔ پانچ سات سو لوگ ہلاک ہوئے۔ یہ واقعہ ۸ دسمبر ۱۷۶۶ء کا ہے۔“

اس بیان کے مطابق نارو شنکر ۱۷۶۶ء میں گوہد میں تھا۔

दादाला गोहदेवर नामुष्की पदरांत घेऊन परत फिरणें भाग पडलें, कर्जाचे

उज्जैनजवळ देपाळपुरास मक्काम दादाचा होता, तेथील

ता. २१ जूनचें वर्तमान.
श्रीमंतांनीं सिंद्यांची दिवाणगिरी नारोशंकरास व मुतालकी अच्युतरावास दिली.

मराठी रियासत : ५ — २२०

”دادا کو گوہد سے بدنامی کا داغ لے کر لوٹنا پڑا۔ دادا کا قیام اجین کے قریب دیپال پور میں تھا۔ تاریخ ۲۱ جون ۱۷۶۷ء کی خبر ’شری منت نے سندھیا کی دیوانی، نارو شنکر کو، اتالیقی اچیوت راؤ کے سپرد کی۔“ جون ۱۷۶۷ء میں نارو شنکر دیپال پور میں تھا۔

۱۷۶۷ء میں دادا نے نارو شنکر کو سندھیا کا ’دیوان‘ مقرر کیا اور وہ ۱۷۶۷ء سے ۱۷۷۶ء تک سندھیا کے یہاں رہا۔

۱۷ر نومبر ۱۷۷۶ء کا لکھا ہوا مہادجی شندے کا ایک خط تاریخ میں ملتا ہے جو اس نے سکھارام پنت گوساوی کو تحریر کیا تھا جس میں وہ نارو شنکر کا ذکر کرتا ہے۔

"کئی باتیں راج شری نارو شنکر کو لکھی ہیں اور اس پر غور کریں، اگر وہ مناسب ہوں تو لکھیں۔"

اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ نارو شنکر دانی نومبر ۱۷۷۶ء میں حیات تھا۔

مولوی عبدالمجید وحید مرحوم اور دیگر جن لوگوں نے نارو شنکر کی وفات ۱۷۷۵ء کی لکھی ہے وہ غلط ہے، انھیں مغالطہ ہوا۔ نارو شنکر پرتی ندھی ناگپور کر کو انھوں نے نارو شنکر دانی سچ سمجھ لیا۔

نارو شنکر پرتیندھی ۱۷۷۵ء میں مرا تھا۔

مہاراشٹر گیان کوش میں ہے'

"ناروپنت نے اورچھا پر گدھے کا ہل پھرا دیا۔ راجہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ (۱۷۴۲ء) اس نے جھانسی میں ۱۴ برس رہ کر نظم سنبھالا۔ اسکے بعد وہ گجرات اور ساونور کی مہمات میں شریک تھا۔ (۱۷۷۵ء)

مہاراشٹر گیان کوش کی اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ نارو شنکر ۱۷۷۵ء میں حیات تھا اور وہ گجرات اور ساونور کی مہمات میں شریک تھا۔

ان حوالوں کی روشنی میں یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نارو شنکر ۱۷۷۵/۶ء میں حیات تھا اور اس کی موت دسمبر ۱۷۷۶ یا اس کے بعد واقع ہوئی ہے۔

۱۷۲۸ء سے ۱۷۷۶ء تک مالیگاؤں میں اس کا آنا کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

نارو شنکر دانی اپنی پیدائش ۱۷۰۶ء سے ۱۷۷۶ء تک کہاں کہاں رہا ایک سرسری جائزہ

۱) ۱۷۰۶ء پیدائش
۲) ۱۷۰۶ء سے ۱۷۱۶ء تک روہیڑا میں
۳) ۱۷۱۶ء تا ۱۷۱۷ء دماجی تھورات کی قید میں
۴) ۱۷۱۷ء تا ۱۷۱۹ء شاہو کے ساتھ شمالی ہند میں
۵) ۱۷۱۹ء تا ۱۷۲۷ء بھورپ عرف سدھا گڈھ میں
۶) ۱۷۲۸ء چماجی اپا کی فوج میں
۷) ۱۷۳۰ء تا ۱۷۳۱ء مالوہ اور مہوبا میں

۸) ۱۷۳۲ء مالوہ میں عہدیداری سے معطّلی
۹) ۱۷۳۹ء چماجی کے ساتھ پرتگیزیوں سے مقابلہ
۱۰) ۱۷۴۲ء اورچھا میں
۱۱) ۱۷۴۲ء تا ۱۷۵۳ء جھانسی میں
۱۲) ۱۷۵۳ء رگھوناتھ کی فوج میں
۱۳) ۱۷۵۶ء جھانسی میں (صوبیداری ۱۷۴۲ء تا ۱۷۵۶ء، ۱۴ سال)
۱۴) ۱۷۵۷ء آگرہ میں
۱۵) ۱۷۶۰ء بندیل کھنڈ (دوآبہ) میں شجاع کے مقابل
۱۶) ۱۷۶۰ء لال قلعہ دہلی میں (دسمبر)
۱۷) ۱۷۶۰ء دسمبر لال قلعہ میں (راجہ بہادر کا خطاب)
۱۸) ۱۷۶۱ء لال قلعہ دہلی سے فرار (جنوری)
۱۹) ۱۷۶۱ء (اپریل) اندور میں
۲۰) ۱۷۶۲ء (دسمبر) آٹرے گاؤں میں
۲۱) ۱۷۶۳ء (اگست) ماجل گاؤں میں
۲۲) ۱۷۶۴ء (فروری) بیجاپور میں
۲۳) ۱۷۶۶ء گوہد میں
۲۴) ۱۷۶۷ء دیپال پور میں
۲۵) ۱۷۶۷ء تا ۱۷۷۶ء سندھیا کے یہاں (دیوان گیری)
۲۶) ۱۷۷۵ء گجرات اور ساونور کی مہم میں

مہادجی شندے کے خط محرّرہ نومبر ۱۷۷۶ء سے یہ ثابت ہے کہ نارو شنکر بہر حال نومبر ۱۷۷۶ء تک حیات تھا اور وہ سندھیا کے یہاں دیوان کے عہدے پر فائز تھا۔ سندھیا گوالیار کے ہیں یعنی ۱۷۶۷ء تا ۱۷۷۶ء نارو شنکر گوالیار میں تھا۔ اور ممکن ہے وہیں اس کا انتقال بھی ہوا ہو۔

نارو شنکر پرتی ندھی جو ۱۷۷۵ء میں فوت ہوا وہ بھونسلے کے یہاں ناگپور میں تھا۔

مستند تاریخی کتب کے حوالوں سے ثابت ہے کہ ۱۷۰۶ء سے ۱۷۷۶ء تک نارو شنکر کب اور

کہاں تھا، بہرحال اس دوران وہ مالیگاؤں سے دور ہی رہا۔کسی بھی طرح مالیگاؤں میں اس کی موجودگی ثابت نہیں ہوتی۔

اس صورت حال میں یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نارو شنکر کبھی مالیگاؤں نہیں آیا اور نہ اس نے یہاں کوئی قلعہ ہی تعمیر کروایا۔

اس سے قبل برہان مآثر اور احمد نگر چی نظام شاہی کے حوالوں سے بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ

''۱۵۰۵ء تا ۱۵۵۳ء مالیگاؤں (ماہلی، ضلع ناسک) کا قلعہ برہان نظام شاہ اوّل کے قبضے میں تھا اور ۱۶۳۶ء میں اس پر مغل سپہ سالار مہابت خان کا قبضہ ہو گیا تھا۔''

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ

''مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا اور نہ وہ کبھی مالیگاؤں آیا۔''

باب پنجم

راجہ نارو شنکر دانی

(شجرہ اور جاگیر)

باب چہارم کی ابتداء میں بتایا جاچکا ہے کہ نارو شنکر کے جدِ امجد کونیرو وٹھل کو سبنیشی پر مامور کر کے اسے بھورپ عرف سدھا گڈھ کی جاگیر دی گئی تھی۔

کونیر وٹھل کے مرنے کے بعد یہ جاگیر اس کے بیٹے مکند پنت اور اس کے بعد اس کے بیٹے نارو پنت اور اس پھر اس کے بیٹے شنکرا جی نارائن کے حصے میں آئی۔

سنبھاجی کے قتل کے بعد مراٹھا حکومت کی مضبوطی اور خوش انتظامی کے لیے مختلف اقدامات کے گئے جن میں سچیو پد کی تقسیم بھی عمل میں آئی، اس وقت سچیو پد اور جاگیر کی تقسیم کے بعد شنکرا جی نارائن نے اپنی جاگیر سے متعلق مختلف لوگوں کو خطوط لکھے اور انھیں حسب سابق وفادار رہنے اور لگان وغیرہ ادا کرنے کی تاکید کی۔ یہ خط شنکرا جی نارائن نے ۲۲ دسمبر ۱۶۹۰ء کو تحریر کیا ہے، اس خط سے اس کی جاگیر کی حدود کا اندازہ ہوتا ہے۔

सचिवाचा जाहीरनामा

[संभाजीच्या वधानंतर तात्पुरती घडी बसविण्याचा हा यत्न आहे. " रायगड ते गोकर्ण ही कोंकणपट्टी रामचंद्रपंताकडे व सातारा ते मुलूख काबीज होईल तो देश शंकराजी नारायणाकडे अशी व्यवस्था केली." संताजीस रामचंद्रपंताकडे दिलें; धनाजीस शंकराजीकडे दिलें. यांसंबंधींचीं जाहीरपत्रें ठिकठिकाणच्या देशमुख देशकुळकर्ण्यांकडे माहितीसाठीं रवाना होत आहेत.]

File D:\Temp\Mrathi\92.bmp not found.

''رائے گڈھ سے گوکرن یہ کوکن پٹی رام چندر پنت کی اور ساتارا سے جو جو بھی علاقے مراٹھوں کے قبضے میں آئیں گے وہ سب شنکرا جی نارائن کے ہوں گے۔''

اس حکم کے تحت شنکرا جی نارائن کی زندگی میں اور پھر نارو شنکر کی حیات میں ساتارا سے مراٹھا حکومت جہاں تک پھیلی وہاں تک کی جاگیر شنکرا جی کے خاندان میں آئی۔

شنکرا جی نارائن اور نارو شنکر کی جاگیر اور اس کے خاندان کا شجرہ اور سند وغیرہ کی معلومات، ''بھور سنستھا نا چا اتہاس'' میں بڑی تفصیل سے ملتی ہیں۔

نارو شنکر کے وارثوں میں سے ایک ''چمنا جی رگھوناتھ'' نے دکن کے انگریز ایجنٹ کو خط کے ذریعے اپنی جاگیر، خطاب اور شجرے کے تعلق سے مفصل معلومات مہیا کی ہیں۔

انگریز ایجنٹ برائے دکن نے ۲۶؍ اگست ۱۸۵۱ء کو دکن کے تمام راجے نواب کو خط لکھ کر ان کی جاگیر و خطاب وغیرہ کی سند اور تفصیلات طلب کی تھیں۔ نارو شنکر کے وارث چمنا جی رگھوناتھ کو بھی یہ خط ملا تھا جس کے جواب میں اس نے انگریز ایجنٹ کو اپنے خاندان، خطاب اور جاگیر کی

درج ذیل تفصیلات مہیا کی تھیں۔

چمنا جی رگھوناتھ کے خط کا خلاصہ (الف)

از ایں جانب چمنا جی رگھوناتھ (سچیو) بعد از سلام شوکت، یہاں خیریت جانیے اور آپ کی شادمانی ہمیشہ مطلوب! آپ کا خط نمبر ۱۰۴۷، مورخہ ۲۶؍ اگست ۱۸۵۱ء کا موصول ہوا جس میں آپ نے لکھا ہے کہ ہمیں خطاب، سچیو کا عہدہ اور جاگیر وغیرہ کب؟ کس سے؟ اور کس سبب سے ملے ہیں؟ اور تمام خاندان، عہدے اور جاگیر کی تفصیلات مع اسناد کے پیش کی جائیں۔ ہماری طرف سے آپ کے اس خط کا جواب نہیں بھیجا گیا تو آپ کی جانب سے دوسرا خط نمبر ۱۳۳۲ آیا۔ اس کے جواب میں تفصیلات پیش کی جارہی ہیں۔

۱) سچیو پنت، یہ عہدہ ہمارے مورثِ اعلیٰ شنکرا جی نارائن کو کیلاش واسی چھتر پتی راجہ رام کی سرکار سے ملا تھا، ان کے بعد خاندان کی تفصیل ذیل کے مطابق ہے۔

۱) شنکرا جی نارائن (مورثِ اعلیٰ)

۲) نارو شنکر

۳) چمنا جی نارائن (دتک/متبنّیٰ)

۴) رگھوناتھ راؤ چمنا جی

۵) شنکر راؤ رگھوناتھ

۶) چمنا جی شنکر (دتک)

۷) رگھوناتھ راؤ چمنا جی شنکر

۸) چمنا جی رگھوناتھ

اس کے مطابق آج تک خاندان کی تفصیل ہے۔

اس تعلق سے چھتر پتی کی دی ہوئی سندیں جن میں وطن، انعام اور جاگیر جائداد کی تفصیلات ہیں بھیجی جارہی ہیں اور ساتھ ہی ان کی دو دو نقول بھی منسلک ہیں۔

کُل دو اصل سندیں بھیجی ہیں انھیں جانچ کر ان کی نقلیں اپنے پاس رکھ لیں اور اصل اسناد ہمارے وکیل کو دے دیں۔

(ب)

چمناجی رگھوناتھ نے انگریز ایجنٹ کے اس سوال کا بڑا تفصیلی جواب دیا ہے کہ ”خاندان کہاں سے شروع ہوا؟ اور آج تک اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ چمناجی رگھوناتھ لکھتا ہے

۱) ہمارے مورث اعلیٰ نارومکند کیلاش واسی شیواجی مہاراج کی حکومت میں کام پر تھے۔ انھوں نے کئی کوٹ قلعے فتح کیے جس کے صلے میں سدھا گڈھ (بھورپ) میں انھیں سبنیشی دی گئی۔ اس کے بعد شنکراجی نارائن مہاراج کے یہاں تھے، مہاراج کے مرنے کے بعد سنبھاجی مہاراج راج کرنے لگے۔ بادشاہ اورنگ زیب نے سنبھاجی کو گرفتار کرلیا تو، مہاراج راجہ رام ”چندی چنداور“ چلے گئے۔

۲) شنکراجی نارائن نے فوج وغیرہ جمع کر کے مغلوں سے زبردست لڑائیاں لڑیں اور بہت سارے مراٹھا علاقے بادشاہ سے دوبارہ چھین لیے۔ اس کارنامے کے صلے میں راجہ رام نے شنکراجی نارائن کو ۱۶۱۶ء شکے ۱۶۸۸ء میں جاگیر اور خلعت عطا کی جس کی رو سے قلعے، کوٹ و جاگیر اور سارے راج میں ساوتریوں کے وطن، گاؤں اور انعامی زمینیں عطا کیں۔

۳) شنکراجی نارائن کی موت کے بعد اس کے بیٹے نارو شنکر کو مہاراج نے وہ تمام جاگیریں، اختیارات اور عہدہ دیا جو شنکراجی نارائن کا تھا۔

(ج)

ہمارے مورثوں کو کن راجوں نے جاگیر وعہدہ دیا، اس کی تفصیل :

۱) راجہ رام کی حکومت میں شنکراجی نارائن کو جاگیر وعہدہ ملا۔

۲) شاہو مہاراج کے زمانے میں نارو شنکر کو جاگیر وعہدہ ملا۔ چمناجی نارائن کو نارو شنکر نے گودلیا۔

۳) راجہ رام کی حکومت میں سداشیو چمناجی اور رگھوناتھ راؤ چمناجی کو

۴) شاہو مہاراج (دوسرا) کے زمانے میں شنکر راؤ رگھوناتھ اور چمناجی شنکر (دتک) کو

۵) پرتاپ سنگھ مہاراج کے عہد میں فی الحال چمناجی شنکر (دتک)

(د)

پنت سچیو کی ماں کی طرف سے جو فہرست ملی، اسکے مطابق خاندان کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

۱) مورثِ اعلیٰ کونیر وٹھل

۲) مکند پنت بڑا بیٹا، پرلہاد پنت چھوٹا بیٹا

۳) نارو پنت، مکند پنت کا بیٹا

۴) شنکراجی نارائن، نارو پنت کا بیٹا

شنکراجی کو بیٹا نہیں، اس لیے مہاد جی شنکر کو گودلیا۔ بعد میں اصل وارث (بیٹا) نارو شنکر پیدا ہوا۔

۵) نارو شنکر، شنکراجی نارائن کا بیٹا۔ نارو شنکر نے مہاد جی شنکر کے بیٹے کو گودلیا۔

نارو شنکر لاولد تھا۔ اس نے مہاد جی شنکر کے بیٹے چٹکوبا کو گودلیا اور اس کا نام چمناجی نارائن رکھا۔

۶) چٹکوبا (چمناجی نارائن) کے تین بیٹے سداشیو پنت، آنندراؤ اور رگھوناتھ راؤ

۷) سداشیو پنت: چمناجی نارائن کا بیٹا

۸) رگھوناتھ راؤ : سداشیو پنت کا بھائی

۹) شنکر راؤ، رگھوناتھ راؤ کا بیٹا

شنکر راؤ کو بیٹا نہیں تھا اسلیے دتک لینا پڑا۔ ہمارے خاندان میں کوئی لڑکا نہیں۔ مہاد جی شنکر کے گھر میں کوئی بیٹا نہیں، اسلیے چنداور کر کے یہاں سے دتک لے کر حکومت کا کاروبار چلا رہے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اس خاندان میں جن لوگوں کو عہدہ ملا ان کی سلسلے وار فہرست دی گئی ہے۔

۱) شنکراجی نارائن : ایک بیٹا

۲) نارو شنکر : ایک بیٹا (دتک)

۳) چمناجی نارائن : تین بیٹے

۴) سداشیو چمناجی : بیٹا نہیں

۵) رگھوناتھ راؤ چمناجی : ایک بیٹا

۶) شنکر راؤ رگھوناتھ : ایک بیٹا

۷) چمناجی شنکر (دتک)

مورث اعلیٰ سے آج تک جتنے آدمی ہوئے ان کی تفصیل :

۱) وٹھل پنت

۲) کونیر پنت

۳) مکند پنت

۴) نارو پنت

۵) شنکراجی نارائن

۶) نارو شنکر

۷) چمناجی نارائن (دتک) چٹکوبا، مہادجی شنکر کا بیٹا

۸) رگھوناتھ راؤ چمناجی نارائن

۹) شنکر راؤ رگھوناتھ

۱۰) چمناجی شنکر (دتک) کاشی موریشور کا بیٹا

۱۱) رگھوناتھ چمناجی

۱۲) چمناجی رگھوناتھ

(ح)

اس حصے میں جاگیر، اخراجات اور آمدنی وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ ماں رادھابائی کو گرانٹ صاحب نے سترہ ہزار روپیہ وظیفہ مقرر کیا تھا اور اسے وائی ماہلی میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

کونیر وٹھل کو ۱۶۸۸ء میں سبنیشی کا عہدہ ملا ''چنداور'' کے مقام پر۔

نارو مکند پنت کو ایک بیٹا شنکراجی نارائن ہوا جسے مہاراج نے سچیو پد دیا، اس کے تین بیٹے ہوئے جناردن شنکر (یہ بچپن میں ہی فوت ہوگیا)، مہادجی شنکر (دتک) اور اصلی بیٹا، وارث نارو شنکر۔

نارو شنکر نے مہادجی شنکر کے بیٹے چٹکوبا کو گود لیا اور اس کا نام چمناجی نارائن رکھا جو نارو شنکر کے بعد سچیو ہوا۔ مندرجہ بالا تمام تفصیلات ''بھور سنستھانا چا اتہاس'' کے صفحات ۲۰۱ تا ۲۱۰ سے ماخوذ ہیں۔

اس تعلق سے ایک بات خاص طور پر ذہن میں رکھیے کہ یہ تمام معلومات اسی خاندان کے وارث چمناجی رگھوناتھ نے برٹش سرکار کو مہیا کی ہیں اور تمام اصل اسناد بھی پیش کی ہیں اس لیے اس سے زیادہ معتبر و مستند کوئی اور ذریعہ یا ماخذ نہیں ہوسکتا۔

رگھوناتھ راؤ چمناجی شنکر کی پیش کردہ تفصیلات کی روشنی میں نارو شنکر کا شجرہ پیش خدمت ہے۔

۱) وٹھل پنت
|
۲) کونہیر پنت
|
۳) مکند پنت — پرلہاد پنت
|
۴) نارو پنت
|
۵) شنکراجی نارائن
|
جناردن شنکر (کمسنی میں مرگیا) — مہادجی شنکر (دتک) — ۶) نارو شنکر
|
۷) چمناجی شنکر (چٹکوبا) دتک مہادجی شنکر کا بیٹا
|
۸) سداشیو پنت — آنند راؤ — ۹) رگھوناتھ راؤ
|
۱۰) شنکر راؤ رگھوناتھ
|
۱۱) (کاشی موریشور کا بیٹا) چمناجی (دتک)
|
۱۲) رگھوناتھ چمناجی شنکر
|
۱۳) چمناجی رگھوناتھ
|
۱۴) شنکر راؤ چمناجی
|
۱۵) (ولی عہد) رگھوناتھ راؤ شنکر

نارو شنکر کے خاندان کی مزید تفصیلات

۱) وٹھل پنت (مورث اعلیٰ)

۲) کونہیر پنت (۱۶۸۸ء میں سبنیشی کا عہدہ ملا)

۳) مکند پنت (بیوی جیوبائی)

۴) نارو پنت

۵) شنکراجی نارائن (۱۶۹۸ء تا ۱۷۰۷ء) (بیوی ایسوبائی)

۶) نارو شنکر (۱۷۰۸ء تا ۱۷۳۶ء) (بیوی لکشمی بائی)

۷) چمناجی نارائن (۱۷۳۷ء تا ۱۷۵۶ء) (بیوی بھوانی بائی)

۸) سداشیو پنت (۱۷۵۷ء تا ۱۷۸۶ء) (بیوی سکنا بائی)

۹) رگھوناتھ راؤ (۱۷۸۷ء تا ۱۷۹۰ء) (بیوی جانکی بائی)

۱۰) شنکر راؤ (۱۷۹۱ء تا ۱۷۹۷ء) (بیویاں : ایسو بائی، بیابائی، رادھا بائی)

۱۱) چمنا جی (۱۷۹۸ء تا ۱۸۲۶ء) (بیویاں : بھوانی بائی، لکشمی بائی)

۱۲) رگھوناتھ راؤ (۱۸۲۷ء تا ۱۸۳۵ء) (بیوی گنگا بائی)

۱۳) چمنا جی رگھوناتھ (۱۸۳۶ء تا ۱۸۷۰ء) (بیوی سرسوتی بائی)

۱۴) شنکر راؤ (۱۸۷۱ء تا حال) (بیویاں سیتا بائی، شیو بائی)

۱۵) رگھوناتھ راؤ (ولی عہد) (بیوی گنگا بائی)

اس طرح وٹھل پنت سے لے کر رگھوناتھ راؤ (ولی عہد) تک نارو شنکر کا مکمل شجرہ موجود ہے جو کہیں بھی مجروح نہیں ہوتا۔ سنوات کے اعتبار سے بھی اس میں تسلسل قائم ہے۔ اس کے باوجود کہ اس شجرے میں چمنا جی نارائن اور چمنا جی شنکر (دتک) ہیں، یہ شجرہ مکمل ہے اور ان کے پاس جاگیر و خطاب کی اصل سندیں موجود ہیں۔

مالیگاؤں کے راجہ بہادر اور نارو شنکر

نارو شنکر کے تفصیلی حالات اور شجرۂ نسب کی روشنی میں سوال اٹھتا ہے کہ ''جب نارو شنکر لاولد تھا اور کبھی مالیگاؤں بھی نہیں آیا تو موجودہ راجے بہادر خود کو نارو شنکر کی اولاد کس طرح بتاتے ہیں!؟''

میری تحقیق اور رگھوناتھ چمنا جی شنکر کے خط کی روشنی میں دیکھا جائے تو مالیگاؤں کے ''راجہ بہادر'' کا نارو شنکر کے خاندان اور نسل سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا اس کے باوجود ایک شبہ کی تصدیق یا تردید ضروری معلوم ہوتی ہے۔ رگھوناتھ راؤ نے اپنے خط میں لکھا ہے :

तीर्थरुपाची मातुश्री

राधाबाई यांस, ग्रँटसाहेबांनीं यावज्जीव नेमणूक द्यावयाची ठराविली, ते १७००० रुपये द्यावे लागतात. बाईनीं वांई, माहुलीस राहून कालक्षेप करावा.

File D:\Temp\Mrathi\98.bmp not found.

— २०८ - २०९

''لائق پرستش ماں رادھا بائی کے لیے گرانٹ صاحب نے سترہ ہزار روپے (وظیفہ) مقرر کیا جو انھیں دیا جاتا ہے اور انھیں وائی، ماہلی میں رہنے کی اجازت ہے۔''

رادھا بائی شنکر راؤ رگھوناتھ کی بیوی تھی۔ چمنا جی شنکر کو انھوں نے گود لیا تھا۔ شنکر راؤ رگھوناتھ کے مرنے کے بعد چمنا جی شنکر اور رادھا بائی میں اختلافات اس قدر شدید ہوگئے کہ رادھا بائی نے چمنا جی شنکر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جسے باجی راؤ دوم نے رہائی دلوائی۔

اس تعلق سے اس نکتہ پر غور کیجئے کہ رادھا بائی کو وائی ماہلی میں انگریز سرکار نے رہنے کی اجازت دی تھی۔ بالفرض محال یہ ماہلی اگر مالیگاؤں ہے تو رادھا بائی اپنے متبنیٰ بیٹے چمنا جی شنکر سے اختلاف ہونے کی بنا پر مالیگاؤں آ کر رہنے لگی اور ممکن ہے اس نے کوئی لڑکا اور گود لے کر اپنی گدی سلامت رکھی ہو کیونکہ رادھا بائی خود لاولد تھی اس لیے چمنا جی شنکر کو دتک لیا تھا۔ اس طرح مالیگاؤں کے راجہ بہادر رادھا بائی کی وجہ سے نارو شنکر کے خاندان سے جڑ تو جاتے ہیں لیکن یہ نارو شنکر کی اولاد میں سے نہیں ہیں کیونکہ نارو شنکر خود بھی لاولد تھا۔ اور اگر وائی ماہلی ستارا کا ماہلی ہے تو پھر مالیگاؤں کے راجہ بہادر کسی بھی طرح نارو شنکر کے خاندان سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتے اور ان کا یہ دعویٰ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے کہ وہ نارو شنکر کی اولاد میں ہیں۔

میں نے موجودہ راجے بہادر ''شاہو مہاراج'' اور ان کے مرحوم باپ ''بالا صاحب راجے بہادر'' سے کئی بار ملاقات کی اور ان سے ان کی جاگیر کی سند اور ان کا شجرہ نسب دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن ہر مرتبہ انھوں نے کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ٹال دیا۔

جاگیر کی سند کے تعلق سے بالا صاحب نے فرمایا تھا کہ

''تمہارے سماج کے کوئی مولوی صاحب آئے تھے، وہ تاریخ پر کچھ لکھ رہے تھے۔ مجھ سے سند مانگ کر لے گئے اور پھر سند واپس نہیں کی۔''

یہ الزام غالباً مولوی عبدالمجید وحیدؔ مرحوم کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ ''الزام'' اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کی حقیقت آگے سامنے آئے گی، شجرۂ نسب کے متعلق فرمایا کہ ''ناسک میں ہے وہاں سے منگوا کر دوں گا۔ بالا صاحب مرتے مر گئے لیکن شجرہ نہ دے سکے۔

بالا صاحب کے بعد میں نے کئی بار ان کے فرزند ''شاہو مہاراج'' کی ڈیوڑھی پر حاضری دی لیکن وہ بھی برابر مجھے ٹالتے رہے۔ آخر تنگ آ کر میں نے انھیں ایک رجسٹرڈ لفافہ روانہ کیا اور ان سے شجرے کا مطالبہ کیا، نہ دینے کی صورت میں انھیں متنبہ کیا کہ میرے پاس آپ کے خاندان کا

جیسا بھی شجرہ ہے ''صحیح یا غلط'' میں اسے اپنی کتاب میں شائع کردوں گا اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود شاہو مہاراج نے کوئی توجہ نہ دی۔

ذیل میں موجودہ مالیگاؤں کے راجہ بہادر خاندان کا شجرہ پیش کر رہا ہوں جو مجھے پروفیسر ایس ڈی کھیرنار صاحب لکچرار شعبۂ تاریخ ایم ایس جی کالج سے ملا ہے۔

شنکر راؤ دانی (ساسوڑکر)

نارو شنکر (۱۷۰۰ء تا ۱۷۷۵ء) — لکشمن پنت — آباجی پنت

ترمبک راؤ — رگھوناتھ پنت عرف راگھو پنت

رنگ راؤ — باباصاحب — گوپال راؤ (۱۸۱۸ء) — کیشو راؤ — مادھو راؤ — وشواس راؤ

شیوراؤ (مالیگاؤں) (۱۸۴۲ء)

گوپال راؤ شیوراؤ (۱۹۱۴/۱۵ء) (بیوی رادھابائی) — وٹھل شیوراؤ — ترمبک راؤ شیوراؤ

بھگونت راؤ گوپال راؤ (بیوی آنندی بائی)

اب دونوں شجروں کا موازنہ و تجزیہ کیجئے، ایک جو میں نے پیش کیا ہے اور دوسرا جو پروفیسر کھیرنار صاحب نے دیا ہے۔

۱) نارو شنکر ۱۷۷۵ء میں فوت ہوا۔

۲) ترمبک راؤ نارو شنکر کی جگہ ۱۷۷۶ء میں راجہ بنا ہوگا۔

۳) مادھو راؤ کو انگریز حکومت کا خط ۱۸۵۱ء میں ملا اس وقت وہ کمسن تھا۔

۴) برٹش سرکار نے مادھو راؤ کو خط اس لیے لکھا ہوگا کہ اس وقت ترمبک فوت ہو چکا ہوگا یعنی ۱۸۵۰ء سے قبل۔

۵) ۱۸۱۸ء میں گوپال راؤ راجہ تھا، یعنی وہ اپنے باپ ترمبک راؤ کی موت سے ۳۲ سال پہلے ہی راجہ بن گیا تھا۔

۶) ۱۸۴۲ء میں شیوراؤ ولد گوپال راؤ راجہ تھا۔ اگر وہ ۱۸۴۰ء میں راجہ بنا تو گوپال راؤ ۱۸۴۰ء میں مر چکا تھا۔

۷) ۱۸۴۲ء میں شیوراؤ راجہ تھا تو برٹش سرکار نے اسکی بجائے مادھو راؤ کو ۱۸۵۱ء میں خط کیوں لکھا؟

۸) پروفیسر کھیرنار کے پاس ایک خط ہے جو برٹش سرکار کی جانب سے راجہ گوپال راؤ کے نام بھیجا گیا جس پر ۹ جون ۱۸۵۵ء کی تاریخ درج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خط گوپال راؤ شیوراؤ کے نام ہوسکتا ہے جو ممکن ہے ۱۸۵۰ء کے قریب تخت نشین ہوا ہو۔ پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ برٹش سرکار کا ۱۸۵۱ء کا خط گوپال شیوراؤ کی بجائے اس کے دادا کے سگے بھائی مادھو راؤ ترمبک راؤ کے نام کیوں لکھا گیا؟

۹) ۱۸۵۱ء میں مادھو راؤ کمسن تھا؟ ۱۸۱۸ء میں اس کا بھائی گوپال راؤ ترمبک راؤ راجہ تھا۔ اگر اسکے حساب سے مادھو راؤ کو اس سے ۱۰ برس چھوٹا سمجھ لیں تو اس کی پیدائش ۱۸۰۰ء کی ہوسکتی ہے اور برٹش سرکار کا خط ۱۸۵۱ء کا ہے تو اس وقت مادھو راؤ کی عمر ۵۰ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی اور پھر بھی وہ کمسن تھا؟

۱۰) برٹش سرکار کا ۱۸۵۱ء کے خط کا جواب مادھو راؤ کی کمسنی کی بنا پر اس کی ماں ''انّا پورنا'' بائی نے لکھ کر بھیجا۔ اس صورت میں گوپال راؤ، ترمبک راؤ، شیوراؤ گوپال راؤ، اور گوپال راؤ شیوراؤ کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔ یعنی راجہ مادھو راؤ تھا اور اس کی اتالیق اس کی ماں آنا پورنا بائی تھی اور شجرے میں گوپال ترمبک، شیوراؤ گوپال اور گوپال شیوراؤ فرضی نام ہیں۔

۱۱) دونوں شجروں میں رادھابائی کا تذکرہ ہے۔ ایک رادھابائی گوپال راؤ دوم کی بیوی ہے جس کا زمانہ ۱۹۱۴/۱۵ء کا ہے اور دوسری رادھابائی جو نارو شنکر کے شجرے میں ہے وہ شنکر راؤ رگھوناتھ کی بیوی ہے۔ شنکر راؤ کا زمانہ ۱۷۹۱ء تا ۱۷۹۷ء ہے۔ اگر شنکر راؤ کی بیوی رادھابائی ماہلی (مالیگاؤں) میں رہنے اکیلی آ گئی تھی تو پھر زمانے کے فرق سے ظاہر ہے کہ موجودہ مالیگاؤں کے راجے بہادر کی بیوی رادھابائی اور شنکر راؤ کی بیوی رادھابائی دو الگ الگ عورتیں ہیں۔ اس طرح مالیگاؤں کے موجودہ راجے بہادر کا نارو شنکر سے کوئی تعلق نہیں جڑتا اور رادھابائی شنکر ماہلی (مالیگاؤں) نہیں بلکہ ستارا کے وائی ماہلی میں رہنے لگی تھی۔ اس صورت سے بھی مالیگاؤں کے راجے بہادر نارو شنکر کی اولاد میں شامل نہیں ہوتے بلکہ یہ کسی اور خاندان سے متعلق ہیں۔ مالیگاؤں کے راجہ بہادر خاندان اور ان کی جاگیر سے متعلق مزید بحث کرنے سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر جی۔ بی شاہ صاحب کے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

बिटिशांनी
इ. स. १८५१ मध्ये महाराष्ट्राच्या अनेक सरदारांना पत्रे पाठवून त्यांना ज्या पदव्या मिळाल्या आहेत किंवा ते आपल्या नावामागे ज्या पदव्या लावतात त्या त्यांना कोणी केव्हा व कशाकरिता दिल्या याची माहिती मागवली होती. तसेच या पदव्यामागील इतिहासही त्यांनी लिहून मागविला होता. हा इतिहास लिहून पाठवितांना त्याचे पुरावेही पाठविण्याची विनंती ब्रिटिशांनी महाराष्ट्रातील अनेक सरदारांना केली होती. याप्रमाणे ३० जुलै १८५१ रोजी मालेगावच्या माधवराव त्र्यंबक राजे यांनाही ब्रिटीश सरकारचे पत्र आले होते. पण याप्रसंगी ते लहान असल्याने मालेगावचा कारभार त्यांच्यावतीने मातोश्री अन्नपूर्णाबाई ह्या पहात होत्या.

त्यांनी या पत्राचे उत्तर पुढीलप्रमाणे पाठविले आहे.

आमचे वडील नारो शंकर नानासाहेब यांना पेशवे सरकारची पत्रे नामजाद अशी आहेत. त्यानंतर दिल्लीचे बादशहा अलमगीर गाजी यांजवर दुसमनचा प्रसंग पडल्यामुळे नारो शंकर यांजकडून दुसमनाचे पारिपत्य जाहल्यामुळे बादशहा संतोष होवून त्यांनी तलवार व जवाहीर व गाव इनामी व राजे बहादर हा किताब दिला. याजविषयीचे सन, शकाचा तपास करुन लिहू कारण आमची व होळकर यांची आदावत होती. त्यामुळे त्यांनी नाशिकास बंड करुन वाडा नाशिकचा दरोबस्त चिजवस्तू वगैरे कागदपत्र सुद्धां लुटून नेले व कांही त्रिंबकजीचे किल्ल्यावर होते. तेथे त्यांची व आमची लढाई होवून तेथूनही सर्व कांही नेले.

विद्यावर्धिनी

ڈاکٹر جی۔بی شاہ کی تحریر بڑی دلچسپ ہے، وہ لکھتے ہیں :

۱) ۱۸۵۱ء میں برٹش سرکار کی جانب سے مادھوراؤ ترمبک راؤ کو ایسا ہی ایک خط موصول ہوا تھا لیکن مادھوراؤ کی کمسنی کی وجہ سے حکومت کا کاروبار اس کی ماں انا پورنا بائی سنبھالتی تھی اور اس نے اس خط کا جواب لکھا تھا۔

۲) ہمارے مورث اعلیٰ نارو شنکر نانا صاحب کو پیشوا کی جانب سے یہ جاگیر مقرر ہے۔

۳) دلی کے بادشاہ عالمگیر غازی کی دشمنوں سے حفاظت کرنے کے صلے میں نارو شنکر کو بادشاہ نے تلوار، جواہر اور گاؤں انعام میں دیئے۔

۴) ہولکر اور ہماری دشمنی تھی جس کی بنا پر ہولکر نے ناسک پر حلہ بول کر وہاں سے مال و اسباب کے ساتھ کاغذات بھی لوٹ لے گئے۔

۵) کچھ کاغذات ترمبک جی کے قلعے میں تھے، وہاں بھی ہولکر اور ہماری لڑائی ہوئی۔ ہولکر وہاں سے بھی کاغذات وغیرہ اٹھالے گئے۔

اب آیئے انا پورنا بائی کے اس بیان کا ترتیب وار جائزہ لیں۔

۱) ۱۸۵۱ء میں برٹش حکومت کی جانب سے مادھوراؤ ترمبک راؤ کو خط لکھا گیا جس میں تاریخی ثبوت و شواہد طلب کیے گئے تھے۔اس وقت مادھوراؤ کمسن تھا اس لیے اسکی جانب سے اس کی ماں آنا پورنا بائی نے جواب لکھا۔شجرہ ملاحظہ فرمایئے، اس میں ۱۸۱۸ء میں گوپال راؤ ولد ترمبک راؤ کو راجہ بتایا گیا ہے۔اسی کے زمانے میں انگریزوں سے لڑائی ہوئی۔اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں اس کا بیٹا وشواس راؤ گدی پر بیٹھا تھا۔

سوال یہ ہے کہ برٹش سرکار نے مادھوراؤ کو خط کیوں لکھا؟ جبکہ ۱۸۴۲ء میں وشواس راؤ گدی پر تھا اس لیے اگر ۱۸۵۱ء تک وہی گدی پر تھا تو خط اسے ملنا چاہیے تھا اور اگر وہ فوت ہو چکا تھا تو پھر یہ خط اس کے قائم مقام گوپال راؤ ولد شیوراؤ کو ملنا چاہیے تھا نہ کہ مادھوراؤ کو!!

اس کے علاوہ ۱۸۵۱ء میں مادھوراؤ کو خط لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ۱۸۵۰ء میں ترمبک راؤ فوت ہوا تھا۔تو ۱۸۱۸ء میں گوپال راؤ ترمبک راؤ کی موجودگی میں کس طرح گدی نشین ہو سکتا ہے؟

شاہی مسجد مالیگاؤں کو ۱۷۹۷ء میں راجہ گوپال راؤ نے جگہ دی تھی یعنی وہ تقریباً ۱۷۹۵ء میں گدی نشین ہوا ہوگا؟ اگر وہ تیس برس کی عمر میں راجہ بنا تو ۱۷۹۷ء میں اس کی عمر بتیس سال اور ۱۸۱۸ء میں اس کی عمر اکیاون سال کی ہوگی۔اس حساب سے مادھوراؤ جو گوپال راؤ کا بھائی اور ترمبک کا پانچویں نمبر کا بیٹا تھا اس کی عمر کمسنی کی ہوگی؟ اگر مادھو کمسن ہے تو اس وقت چھٹے بیٹے وشواس راؤ کی پیدائش بھی نہیں ہونی چاہیے۔

۲) پیشوا کی جانب سے نارو شنکر کے باپ دادا کو جاگیر ملی تھی لیکن اس میں ''مالیگاؤں'' شامل تھا یا نہیں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔اور اگر مالیگاؤں نارو شنکر کی جاگیر میں تھا تو مالیگاؤں کے راجہ بہادر اس کی اولاد میں نہیں ہیں۔اس لیے مالیگاؤں کی جاگیر ان کی طرف منتقل ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

۳) دلی کے بادشاہ عالمگیر غازی نے تلوار، جواہر اور گاؤں انعام میں دیئے۔ انا پورنا بائی کا یہ بیان بھی سراسر غلط ہے۔ میں نے پہلے ہی ثابت کیا ہے کہ عالمگیر کا فرمان جعلی ہے اور ناروشنکر کا عالمگیر ثانی سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔

۴) آنا پورنا بائی کا بیان ہے کہ ''ہولکر نے ان کے مال واسباب کے ساتھ کاغذات تک لوٹ لیئے'' پھر تاریخوں میں عالمگیر ثانی کا جو فرمان ہے وہ کہاں سے آیا؟ ہولکر نے دیا؟ یا پھر خود راجے بہادر خاندان کے کسی فرد نے اپنی جاگیر بچانے کی خاطر یہ جعلی فرمان تیار کیا؟

آنا پورنا بائی کا یہ بیان بڑی ہوشیاری سے تیار کیا گیا ہے۔ ''کاغذات کی چوری'' بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے کیونکہ جاگیر کے کاغذات یا سندان کے پاس تھی ہی نہیں تو وہ برٹش سرکار کو کیسے پیش کی جاتی۔ اس لیے کاغذات کی چوری اور لٹنے کا بہانہ کیا گیا اور آج بھی ان کے پاس اپنی جاگیر کا کوئی ثبوت یا سند نہیں ہے۔

آنا پورنا بائی کے اس غلط سلط اور الجھے ہوئے بیان کے مقابلے میں رگھوناتھ چمنا جی کا بیان ملاحظہ فرمائیے جس نے برٹش سرکار کے خط کے جواب میں نہایت تفصیل سے تمام باتیں لکھی ہیں۔ اصل اسناد بھی ان کے پاس موجود تھیں۔ جب اصل اسناد بھور میں رگھوناتھ چمنا جی کے پاس تھیں تو پھر آنا پورنا بائی کے پاس کہاں سے آتیں۔ اس لیے اس نے کاغذات کے لٹنے کی من گھڑت کہانی تیار کر کے برٹش سرکار کو دھوکا دینے کی کوشش کی اور پھر مجبوراً عالمگیر ثانی غازی کا جعلی فرمان تیار کر کے جاگیر بچانے کی کوشش کی گئی۔

اس طرح صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مالیگاؤں کے موجودہ راجے بہادر کسی بھی طرح ناروشنکر کے خاندان سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ یہ اس کی اولاد میں سے بھی نہیں ہیں کیونکہ ناروشنکر خود لاولد تھا اور اس کی بھور کی جاگیر اس کے گود لیے ہوئے بیٹے چنٹکو با عرف چمنا جی نارائن کے نام منتقل ہوئی تھی۔

اس صورت حال میں جبکہ آنا پورنا بائی کے پاس بھی جاگیر کی سند نہیں تھی تو پھر وہ ''بالا صاحب راجے بہادر'' کے پاس کہاں سے آگئی؟ اور انھوں نے عبدالمجید وحید صاحب کو کیسے دی؟ جاگیر بچانے کے لیے سند اور فرمان برٹش سرکار کو پیش نہیں کیا گیا اور کتاب میں چھاپنے کے

لیے مولانا مرحوم کو دے دیا!؟ ہے نہ یہ الزام؟ اگر راجے بہادر نے سند کے نام پر مولوی صاحب کو کچھ دیا ہوگا تو وہ یہی جعلی فرمان ہوگا جو عالمگیر ثانی کا بتایا جاتا ہے جو قطعی جعلی اور فراڈ ہے جس کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔

میرے خیال میں اس خاندان کے کسی فرد نے نہایت ہوشیاری و چالاکی سے ایک اسکیم کے تحت یہ جعلی فرمان تیار کیا یا کروایا ہے اور اسے باقاعدہ کتابوں، رسائل اور مضامین کے ذریعے مشتہر کر دیا تاکہ اسے آگے بطور سند و ثبوت استعمال کیا جا سکے لیکن جعلی فرمان تیار کرنے والے نے اس میں ایسی کئی غلطیاں چھوڑ دی ہیں جو نہایت آسانی سے گرفت میں لی جا سکتی ہیں مثلاً عالمگیر ثانی کے نام اس کی مہر سے فرمان کا ۱۶۶۲ء میں جاری ہونا جبکہ عالمگیر ثانی اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ (عالمگیر ثانی کی پیدائش ۱۶۸۰ء میں ہوئی)

بہر حال یہ جعلی فرمان شاید انگریزوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ثابت ہوا ہو لیکن اب اس کی حقیقت کھل چکی ہے۔

اس لیے موجودہ راجے صاحبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جاگیر و خطاب کی اصل سند اور ثبوت پیش کریں اور اپنے خاندان کا شجرہ بھی اور مکمل ثبوت دیں کہ یہ جاگیر اور خاندان جس کا انھیں دعویٰ ہے واقعی ان کی وراثت ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ

''مالیگاؤں کے راجہ بہادر کا ناروشنکر دانی سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ کس طرح مالیگاؤں کی جاگیر پر قابض ہوئے آج بھی وضاحت طلب اور ثبوت کا محتاج ہے۔''

جس طرح عالمگیر ثانی کا پیش کردہ فرمان جعلی اور فراڈ ہے اسی طرح مالیگاؤں کے راجہ بہادر کا پیش کردہ شجرۂ نسب بھی غلط ہے۔ یہ ناروشنکر کی اولاد میں نہیں ہیں۔ اگر موجودہ راجے بہادر کو میرے دعوے پر اعتراض ہو تو وہ اپنا شجرہ اور جاگیر کی سند بطور ثبوت پیش کریں۔ اور ثابت کریں کہ وہ ناروشنکر دانی کی اولاد میں ہیں اور مالیگاؤں کی جاگیر انھیں ناروشنکر دانی کے وارث ہونے کی حیثیت سے حاصل ہوئی ہے اور پیشوا کے علاوہ عالمگیر ثانی نے بھی انھیں مالیگاؤں کی جاگیر عطا کی تھی۔

اس کتاب کی پیشکش سے میری مراد و منشا صرف اتنی تھی کہ اپنی اس تحقیق کو منظر عام پر لایا

جائے کہ ”مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر دانی نے نہیں بنایا تھا اور نہ مالیگاؤں کے موجودہ راجے بہادر نارو شنکر دانی کی اولاد میں ہیں۔“

میں نے اس کے ثبوت میں مستند تاریخی کتب کے حوالوں سے تمام حقائق اور ثبوت آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اس میں اپنی جانب سے کوئی مفروضہ شامل نہیں کیا جو کچھ بھی ہے وہ مستند حوالوں کے ساتھ ہے۔ قارئین خود بھی ان حوالوں کا تجزیہ کر سکتے ہیں اور میرے دعوے کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

اگر آپ کو میرے دعوے پر اعتراض ہے تو آپ خود اس کی تردید میں مستند حوالے پیش کر کے یہ ثابت کر سکیں کہ مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر نے بنایا تھا اور مالیگاؤں کے موجودہ راجے بہادر نارو شنکر دانی کی اولاد ہیں تو مجھے خوشی ہوگی۔

کوئی صاحب اگر مالیگاؤں کے راجہ بہادر خاندان سے متعلق تحقیق کا حوصلہ رکھتے ہوں تو ان کی رہنمائی کے لیے چند نکات پیش کر رہا ہوں۔ اس نہج پر اگر کام کریں تو ممکن ہے کہ موجودہ راجہ بہادر خاندان کی اصل بنیاد تک پہنچ جائے اور ان کی جاگیرداری کی حقیقت بھی سامنے آجائے۔

گووند سکھارام دیسائی لکھتے ہیں :

गायकवाड व नागपुरकर यांच्या सारखाच बनाव प्रतिनिधींच्या घरांत होता. तेथील कारभार नारोशंकर पहात होता तो स. १७७५ च्या जानेवारींत वारला.

मराठी रियासत : ६ — ६०

” گائیکواڑ اور ناگپورکر کے گھرانوں جیسا بناؤ (میل محبت) پرتیندھی (نارو شنکر) کے گھرانے سے بھی تھا۔ وہاں کے کاروبار کا نگراں نارو شنکر تھا جو جنوری ۱۷۷۵ء میں فوت ہوا۔“

مراٹھا سرداروں میں نارو نام کے جتنے سردار گزرے ہیں ان کی فہرست آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان میں دو نارو شنکر ہوئے ہیں، ایک نارو شنکر دانی سچیو اور دوسرا نارو شنکر پرتیندھی ناگپورکر۔ اس کے ساتھ ہی میں نے نارو شنکر کی پیدائش سے اس کے آخری زمانے تک کی سنوات کے اعتبار سے فہرست بھی پیش کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نارو شنکر دانی سچیو اور نارو شنکر پرتیندھی دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور نارو شنکر دانی کبھی ناگپور نہیں گیا اور نہ ہی وہ وہاں کبھی کسی عہدے پر فائز رہا۔

اسلیے اگر محققین اس نہج پر کام کریں یعنی نارو شنکر پرتیندھی ناگپورکر کے حالات کی تحقیق کریں تو ممکن ہے مالیگاؤں کے راجہ بہادر کے خاندان اور نسب وحسب کا بنیادی سرا ہاتھ آجائے۔

دیسائی صاحب کا ایک حوالہ مزید ملاحظہ فرمائیے۔

. नारोशंकराच्या पश्चात् झाशीस मराठ्यांचे अंमलदार झाले त्यांची नांवनिशी येथेंच सांगणें उचित होईल. १ महादाजी गोविंद (काकिर्डे ?) स. १७५६ पासून स. १७६०; २ बाबूराव कोन्हेर स. १७६१–१७६५ ; ३ विश्वासराव लक्ष्मण स. १७६६–१७६९; ४ नंतर रघुनाथ हरि नेवाळकर पराक्रमी तलवार बहादर सुभे झाले, त्यांनीं ओर्छाच्या राजास कैद करून झाशीच्या किल्ल्यावर ठेविलें. ओर्छा उजाड जाहलें. रघुनाथ हरीच्या वंशाकडे कारभार चालला.

८२ / मराठी रियासत : ४

”نارو شنکر کے بعد جھانسی میں جو عملدار (صوبیدار) ہوئے انکی تفصیل یہاں دینا مناسب ہوگی۔“

۱) مہادجی گووند (کاکرڈے) ۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۰ء

۲) بابوراؤ کونہیر ۱۷۶۱ء تا ۱۷۶۵ء (۳) وشواس راؤ لکشمن ۱۷۶۶ء تا ۱۷۶۹ء

۴) رگھوناتھ ہری نیواڑکر۔ یہاں سے جھانسی کی صوبیداری اس کے خاندان میں قائم ہوگئی۔

نارو شنکر دانی لاولد تھا۔ اس نے چٹکو باعرف چمناجی نارائن کو گود لیا تھا۔ اس کا مکمل شجرۂ نسب پیش کر چکا ہوں۔

مندرجہ بالا جھانسی کے صوبیداروں کی فہرست میں تیسرا نام وشواس راؤ لکشمن کا ہے جسے لوگوں نے نارو شنکر دانی کا بھتیجہ بتایا ہے جو غلط ہے کیونکہ شنکراجی کی واحد اکلوتی اولاد نارو شنکر تھا۔ لکشمن نام کا اس کا کوئی بھائی تھا ہی نہیں تو پھر بھتیجہ کہاں سے آیا!؟

ملاحظہ فرمائیے، دیسائی صاحب لکھتے ہیں :

दरम्यान नारो शंकर व त्याचा पुतण्या विश्वासराव लक्ष्मण, विठ्ठल शिवदेव, गोविंदपंताचे दोघे कर्तबगार पुत्र बाळाजी व गंगाधर, मल्हारराव होळकर, महादजी सिंदे, पवार, बहिरो अनंत अशी अनेक मंडळी आपापल्या परी उत्तरेंत मराठी सत्ता टिकविण्याची शिकस्त करीत होती.

मराठी रियासत : ५ / ११९

”اسی درمیان نارو شنکر اور اس کا بھتیجہ وشواس راؤ لکشمن، وٹھل شیودیو، گووند پنت کے دونوں بیٹے بالاجی اور گنگادھر، ملہار راؤ ہولکر، مہادجی شندے، پوار، بہیرو اننت جیسی کئی جماعتیں اپنے اپنے طور پر شمالی ہند میں مراٹھا حکومت قائم رکھنے کے لیے کوشاں تھیں۔“

नारोशंकराचा मुलगा रघुपतराव नारायण दादाचे बाजूचा असून

मराठी रियासत : ६ — १९४

’’ناروشنکر کا بیٹا رگھوپت راؤ نارائن دادا کا حمایتی ہونے کی بنا پر۔۔۔‘‘

’’ناروشنکر کا بھائی لکشمن پنت بھی اس کے ساتھ شمالی ہندوستان کی سیاست میں حصہ لیتا رہا۔ یہ پہلے کالپی و جھانسی کا صوبیدار تھا۔ اس کا بیٹا وشواس راؤ بھی کچھ دنوں جھانسی کی صوبیداری پر تھا۔‘‘

’’ناروشنکر کی موت کے بعد اس کے دونوں بیٹوں ترمبک اور رگھوپت میں جائداد کے تعلق سے جھگڑے ہونے لگے۔ ترمبک سندھیا کا دیوان تھا۔‘‘ اگر ترمبک سندھیا کا دیوان تھا تو یہ یقیناً باپ کی موت ۱۷۷۵ء کے بعد ہوا ہوگا تو پھر مالیگاؤں میں کون ترمبک راجہ تھا؟

غور فرمائیے کہ جب ناروشنکر دانی لاولد تھا تو اس کی اولاد کا ذکر کہاں سے آیا؟ جب اس کا کوئی بھائی نہیں تھا تو پھر لکشمن اور وشواس راؤ کہاں سے آئے؟ ناروشنکر کے بعد ہی لکشمن جھانسی کا صوبیدار بن سکتا تھا کیونکہ جھانسی اور اورچھا کی فتح ۱۷۴۲ء سے ۱۷۵۶ء تک ناروشنکر دانی وہاں کا صوبیدار تھا۔ اس کے بعد کے صوبیداروں کی فہرست آپ کے سامنے ہے، اس میں لکشمن کا نام نہیں ہے۔ ہاں اس کے بیٹے کو ۱۷۶۶ء سے ۱۷۶۹ء تک صوبیداری ملی تھی۔

اس کے باوجود لکشمن راؤ، وشواس راؤ، ترمبک اور رگھوپت کا وجود تاریخی کتب سے ثابت ہے۔ اگر ہم انھیں ناروشنکر پرتینڈھی ناگپورکر سے جوڑیں تو اس تعلق سے ایک بہتر صورت سامنے آتی ہے یعنی یہ تمام لوگ ناروشنکر دانی کی بجائے ناروشنکر پرتینڈھی کے نسب سے جڑ جاتے ہیں اور ان کا شجرہ اس طرح تیار ہوسکتا ہے :

۱) ناروشنکر پرتینڈھی ناگپورکر (وفات :۱۷۷۵ء) — لکشمن راؤ
لکشمن راؤ — وشواس راؤ
۲) ترمبک راؤ (۱۷۷۶ء تا ۱۷۹۵ء) — رگھوپت راؤ
رنگراؤ باباصاحب — ۳) گوپال راؤ (۱۷۹۶ء | ۱۸۱۸ء) — کیشوراؤ — ۵) مادھوراؤ (۱۸۴۳ء / ۱۸۸۵ء) — وشواس راؤ
۴) شیوراؤ (۱۸۱۹ء تا ۱۸۴۲ء)
۶) گوپال راؤ شیوراؤ (۱۸۸۶ء تا ۱۹۱۴ء) — وٹھل شیوراؤ — ترمبک شیوراؤ
۷) بھگونت راؤ (۱۹۱۵ء) (۸) بالا صاحب متوفی (۱۹۹۰ء) (۹) شاہو (موجودہ راجہ)

اس طرح میں نے دیسائی صاحب، مہاراشٹر گیان کوش کے بیانات اور پروفیسر کھیرنار صاحب کے دیے ہوئے شجرے کو جوڑ کر ناروشنکر پرتینڈھی ناگپورکر کا شجرہ نسب تیار کرنے کی کوشش کی ہے، ممکن ہے یہ درست بھی ثابت ہو کیونکہ

’’ناروشنکر دانی کے شجرے میں جس طرح ’ناموں کی تکرار‘ ہے جیسے چمنا جی رگھوناتھ اور شنکر اسی طرح یہاں بھی ناموں کی کچھ حد تک تکرار ملتی ہے مثلاً وشواس راؤ لکشمن، وشواس راؤ ترمبک، گوپال راؤ ترمبک، گوپال راؤ شیوراؤ، ترمبک راؤ ناروشنکر، ترمبک راؤ شیوراؤ وغیرہ۔

دونوں شجروں میں ناموں کی تکرار اور مماثلت ملاحظہ فرمائیے، کیا یہ گمان نہیں ہوتا کہ ناروشنکر پرتینڈھی کا جو شجرہ میں نے تیار کیا ہے وہ بڑی حد تک حقیقت سے قریب ہے؟

اسکے علاوہ ایک خاص بات اور بھی دیکھیے کہ برٹش سرکار کے مذکورہ خط محررہ ۱۸۵۱ء کے جواب میں اناپورنا بائی نے مادھوراؤ کی جانب سے سرکار کو خط لکھا اور وجہ یہ بتائی کہ ’’مادھوراؤ کمسن ہے‘‘ شجرہ ملاحظہ فرمائیے۔

شیوراؤ گوپال راؤ ۱۸۱۹ء تا ۱۸۴۲ء گدی نشین تھا۔ اس کے بعد مادھوراؤ راجہ بنا یعنی ۱۸۴۳ء میں۔ برٹش سرکار کا خط ۱۸۵۱ء کا ہے۔ اس طرح یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ خط شیوراؤ کی موت کے بعد ہی مادھوراؤ کے نام لکھا گیا ہو۔

میں نے جو سنوات قائم کیے ہیں وہ صرف اندازہ ہے، حقیقت کچھ اور بھی ہوسکتی ہے لیکن اس صورت سے نارو شنکر پر تینڈھی اور اس کے آباء واجداد تک پہنچنے کا ایک زینہ ضرور ہاتھ آجاتا ہے۔ اگر کوئی کوشش کرے تو کامیاب بھی ہوسکتا ہے اور اگر مالیگاؤں کے موجودہ راجے بہادر بھی تعاون کریں اور فراخ دلی سے اپنا شجرہ عوام کے سامنے پیش کریں تو اور بھی آسانی ہوگی اس طرح تاریخ اور شجرے میں پیدا شدہ یہ الجھاؤ اور تعطل ختم ہوجائے گا۔

بہر حال میں نے اپنا نظریہ تمام ثبوت وشواہد کے ساتھ پیش کر دیا ہے اور آخر میں ایک مرتبہ پھر اسے دہراتا ہوں کہ ،

''مالیگاؤں کا قلعہ نارو شنکر نے نہیں بنوایا اور مالیگاؤں کے راجہ بہادر خاندان کا نارو شنکر دانی ساسوڑکر کے خاندان سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ لوگ کسی اور ہی خاندان سے متعلق ہیں۔''

کتابیات

۱)''تاریخ شہر مالیگاؤں'' مولوی عبدالمجید وحید
پہلا ایڈیشن ۱۹۲۸ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۶ء
مطبوعہ رزاقی پریس، کانپور
۲) ''تاریخ مالیگاؤں کے بکھرے اوراق''
مرتبین :بشیر ادیب اور ادارہ شامنامہ
ناشر : ڈاکٹر مختار احمد انصاری ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، مالیگاؤں۔(فروری ۱۹۹۹ء)
۳) ''ماجرائے وطن'' شبیر حکیم
انجمن خواتین، مالیگاؤں۔
پہلا ایڈیشن ۱۹۷۶ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء
۴) ''نقوش''(تذکرہ شعرائے مالیگاؤں)
حفیظ مالیگانوی ۱۹۷۹ء
۵) ''مالیگاؤں :ایک شہر ایک جہاں''
عبدالحلیم صدیقی ۲۰۰۰ء
۶) ''جین سندیس''(رسالہ) لکھنؤ (ہندی)
فروری ۱۹۶۷ء
۷) ''سنمتی''(رسالہ) مراٹھی
ڈاکٹر کولتے دسمبر ۱۹۶۷ء
۸) مراٹھی روزنامہ ''لوک مت''(ناسک)
۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء
۹) ''کلاوہار''(مراٹھی) ایم ایس جی کالج میگزین
۱۹۷۵ء
۱۰) ''برہان مآثر''(فارسی) سید علی طبا
مجلس مخطوطات فارسیہ(دکن) حیدرآباد ۱۹۳۶ء
۱۱) ''احمد نگر چی نظام شاہی''(مراٹھی)
مترجم : ڈاکٹر بھگوان کنٹے مرلی پرکاشن دادر، ممبئی ۱۹۶۲ء
۱۲) ''مغل کالین بھارتا چا اتہاس'' (مراٹھی)
ما۔م دیشمکھ
ناشر : کھنہ جی (آر۔بی سنگھ) ناگپور ۱۹۹۴ء
۱۳) ''شری راجہ شیو چھترپتی''(مراٹھی)
گجانن بھاسکر مہنڈرے
کھنڈ نمبرا، بھاگ نمبرا
گجانن بھاسکر مہنڈرے، سداشیو پیٹھ، پونہ ۱۹۹۶ء
۱۴) ''فورٹس آف مہاراشٹرا'' (انگریزی)
ڈاکٹر ایم ایس نروانے (سابق ونگ کمانڈر)
ایس بی نانگیہ، دریا گنج، دہلی۔ ۱۹۹۵ء
۱۵) ''مغل سامراجیہ چا اتہاس''(مراٹھی)
گائیکواڑ۔وڈیر۔تھورات پاٹل
پھڑکے پرکاشن، کولہاپور دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۹ء
۱۶) ''پانی پت''(مراٹھی) وشواس پاٹل
راج ہنس پرکاشن پونہ، چھٹا ایڈیشن ستمبر ۱۹۹۰ء
۱۷) سادھن پرتیچئے ''مہاراشٹرا چا پتر روپ اتہاس''
(مراٹھی) آپٹے، اوتورکر
گرہ پرکاشن پونہ ۱۹۶۳ء
۱۸) ''مراٹھیا نچا اتہاس''(مراٹھی)
کلکرنی اور دیشپانڈے سووچار پرکاشن پونہ، جون ۱۹۸۷ء
۱۹) ''ونچور کر گھرانیا چا اتہاس''(مراٹھی)
وٹھل گاڑگل
ملکیت کاکانی لائبریری، مالیگاؤں ۱۸۹۳ء
۲۰) ''بھور سنستھانا چا اتہاس''(مراٹھی)
انت نرائن بھاگوت
ملکیت جئے کرواچنالیہ پونہ یونیورسٹی ۱۹۰۳ء
۲۱) ''وبھو پیشوے کالین واڑیاچے''(مراٹھی)
ڈاکٹر مندا کھانڈگے پرتیما پرکاشن پونہ ۱۹۹۲ء

۲۲) ”تاریخ فرشتہ“ (جلد۲) محمد قاسم فرشتہ (اردو
ترجمہ عبدالحئی خواجہ) مکتبہ ملت، دیوبند
۲۳) ”مراٹھیانچا اتہاس“ (۱۶۳۰ء تا ۱۸۱۸ء)
دکشت، سووچار پرکاشن منڈل پونہ جون ۱۹۸۷ء
۲۴) ”مراٹھی ریاست“ (کھنڈ۲) گووند سکھارام دیسائی
پاپولر پرکاشن تاڑدیو، ممبئی۔ ۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۳ء
۲۵) ”مراٹھی ریاست“ (کھنڈ۳) سردیسائی
پاپولر پرکاشن، ممبئی ۱۹۹۱ء ۱۹۹۳ء
۲۶) ”مغل بھارت“ (مراٹھی)
کدم دیشپانڈے، کاینڈے
مہتہ پبلشنگ ہاؤس، پونہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۰ء
۲۷) ”استھر بدھی راجہ رام“ (مراٹھی) کھنڈ ۱
گووند سکھارام دیسائی
پرکاشک دھنجے بالکرشن ڈھوڑے، گرگام، ممبئی
۱۹۷۵ء دوسرا ایڈیشن
۲۸) ”بالاجی باجی راؤ: مراٹھی ریاست“ کھنڈ۴
(مراٹھی) گووند سکھارام دیسائی
پبلشر دھنجے دھوڑے، ممبئی ۱۹۷۵ء
۲۹) ”پانی پت ۱۷۶۱ء“ شیجولکر
راج ہنس پرکاشن پونہ ۱۹۹۴ء
۳۰) ”مراٹھی ریاست“ کھنڈ۴ گووند سکھارام دیسائی
پاپولر پرکاشن، ممبئی ۱۹۹۱ء ۱۹۹۳ء
۳۱) ”مراٹھی ریاست“ کھنڈ۵ (مراٹھی)
گووند سکھارام دیسائی پاپولر پرکاشن، ممبئی ۱۹۹۱ء ۱۹۹۳ء

۳۲) ”مراٹھی ریاست“ کھنڈ ۶ (مراٹھی)
گووند سکھارام دیسائی
پاپولر پرکاشن، ممبئی ۱۹۹۱ء ۱۹۹۳ء
۳۳) ”مالیگاؤں چا بھوئی کوٹ قلعہ“ (مراٹھی مضمون)
پروفیسر ڈاکٹر جی بی شاہ ودیا وردھنی کالج میگزین (ودیا
وردھنی کالج، دھولیہ) ۲۰۰۰ء
۳۴) ”مومن بنکر برادری کی تہذیبی تاریخ“
ڈاکٹر مومن محی الدین (بھیونڈی)
(مارچ ۱۹۹۴ء) ناشر: نوشابہ مومن، رخشندہ مومن
۵۰۳ سی، کریسٹ ۲، سات بنگلہ، ورسوا روڈ، اندھیری،
ممبئی۔۶۱
۳۵) ”مہاراشٹریہ گیان کوش“ (مراٹھی)
شری دھرو ینکٹیش کیتکر سولہواں حصہ
مہاراشٹریہ گیان کوش منڈل، ناگپور ۱۹۲۵ء
۳۶) ”تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی“
مولانا مناظر احسن گیلانی
ناشر: مناظر احسن، دہلی۔ ۱۹۶۵ء
۳۷) ”پیشوے دفتر“
کھنڈ۳۱، لیکھ ۶۴/۵۵ پونہ
۳۸) ”باگلان اتہاس درشن“
پروفیسر شنکر کڑوکا پڑنیس (سٹانہ)
ناشر: مصنف (۱۹۹۹ء)
۳۹) ”مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری“
ڈاکٹر الیاس صدیقی اشاعت: ۲۰۰۲ء
۴۰) ہفت روزہ عوامی آواز اپریل ۱۹۶۹ء مالیگاؤں۔